بانی: ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

ماہنامہ

آئینہ انجمن

ربیع الاول 1448ھ / ستمبر 2026ء

شمارہ نمبر: 90

021-34993436-7

www.QuranAcademy.edu.pk

مرکزی دفتر انجمن خدام القرآن سندھ کراچی رجسٹرڈ B-375 علامہ شبیر احمد عثمانیؒ روڈ، بلاک 6 گلشن اقبال، کراچی۔

آئینہ انجمن

فہرست مضامین

نمبر	مضمون	مصنف	صفحہ
01	فرمان باری تعالیٰ جل جلالہ و فرمان نبوی ﷺ	---	02
02	حب رسول ﷺ سے اتباع رسول ﷺ تک	ڈاکٹر انوار علی ابرار	03
03	حمد باری تعالیٰ جل جلالہ و نعت رسول پاک ﷺ	نظام الدین عطش / حفیظ جالندھری	05
04	ملفوظات صدر مؤسس انجمن خدّام القرآن	ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ	06
05	اقتباس نگران انجمن خدّام القرآن	شجاع الدین شیخ	07
06	پیغام قرآن (آٹھویں قسط)	حافظ انجینئر نوید احمد رحمۃ اللہ علیہ	08
07	دعا، عبادت اور استحکام	فاروق احمد	11
08	سوانح شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ (پہلی قسط)	امین اللہ معاویہ	15
09	تاریخ کے عظیم سپہ سالار خالد بن ولید رضی اللہ عنہ	مفتی امان اللہ قائم خانی	22
10	ذہنی سکون، اضطراب اور امید	احمد حمدی	25
11	اردو ادب کے بعض سنجیدہ اغلاط	نوید احمد	29
12	رودادِ پروگرام 5 ستمبر "باہمی ملاقات"	بنت عظیم	31
13	انجمن خدام القرآن کے تحت جاری سرگرمیاں	ماہانہ رپورٹ	32

فرمان الٰہی جل جلالہ

اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۭ اَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ [التوبة: 13]

ترجمہ: کیا تم ان لوگوں سے جنگ نہیں کرو گے جنھوں نے اپنی قسموں کو توڑا اور رسول کو (وطن سے) نکالنے کا ارادہ کیا اور وہی ہیں جنھوں نے تمہارے خلاف (چھیڑ چھاڑ کرنے میں) پہل کی؟ (اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انھوں نے مکہ مکرمہ میں ظلم شروع کیا اور یہ بھی کہ انھوں نے صلح حدیبیہ کو توڑنے میں پہل کی۔) کیا تم ان سے ڈرتے ہو؟ (اگر ایسا ہے) تو اللہ اس بات کا زیادہ حق رکھتا ہے کہ تم اس سے ڈرو، اگر تم مومن ہو۔

تشریح: یہ ترغیب الی القتال ہے اور استفہام انکاری ہے اور ساتھ تین وجوہ کا ذکر کر دیا گیا جو ان سے قتال کی موجب ہیں۔ اول: نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ کہ انھوں نے عہد شکنی کی ہے۔ دوم: هَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ انھوں نے نبی کریم ﷺ کو مکہ مکرمہ سے نکالنے کی کوشش کی۔ سوم: وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اور انھوں نے تمہارے ساتھ جنگ کی ابتدا کی لہٰذا ان سے ضرور قتال کرو۔ کیا تمہیں یہ ڈر ہے کہ جنگ کی صورت میں تمہیں مشرکین کے ہاتھوں نقصان پہنچے گا؟ اس کی پرواہ مت کرو، بلکہ اللہ سے ڈرو اور اس کے حکم کی خلاف ورزی مت کرو۔ خالص اور پختہ ایمان کا یہی تقاضا ہے کہ اللہ کے سوا کسی کو نافع و ضار نہ سمجھو۔ فان مقتضى ايمان المؤمن الذي يتحقق انه لا ضار و لا نافع الا الله تعالىٰ ولا يقدر احد على مضرة و لا نفع الا بمشيته ان لا يخاف الا من الله تعالىٰ۔ (تفسیر: جواہر القرآن۔۔۔ مولانا غلام اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ)

فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «الْمُتَمَسِّكُ بِسُنَّتِي عِنْدَ فَسَادِ أُمَّتِي لَهُ أَجْرُ شَهِيدٍ» (رواہ الطبرانی فی الاوسط)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص میری امت کے فساد و بگاڑ کے وقت میری سنت اور میرے طریقہ سے وابستہ اور اس کو مضبوطی سے پکڑے رہے اس کے لیے شہید کا اجر و ثواب ہے۔

تشریح: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث اور اس کے علاوہ دوسری متعدد احادیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر منکشف کیا گیا تھا کہ اگلی امتوں کی طرح آپ کی امت میں بھی فساد بگاڑ آئے گا اور ایسے دور بھی آئیں گے جب امت میں بے راہ روی اور نفس و شیطان کی پیروی بہت عام ہو جائے گی اور اس کی غالب اکثریت آپ کی ہدایت و تعلیم اور آپ کے طریقے کی پابند نہیں رہے گی۔ ظاہر ہے کہ ایسے فاسد ماحول اور ایسی ناموافق فضا میں آپ کی ہدایت اور سنت و شریعت پر قائم رہ کر زندگی گزارنا بڑی عزیمت کا کام ہے اور ایسے بندوں کو بڑی مشکلات کا سامنا اور بڑی قربانیاں دینی ہوں گی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں ان اصحاب عزیمت کو خوشخبری سنائی گئی ہے کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو فی سبیل اللہ شہید ہونے والوں کا درجہ اور اجر و ثواب عطا ہوگا۔ یہاں یہ بات خاص طور پر قابل لحاظ ہے کہ ہماری زبان میں سنت کا لفظ ایک مخصوص اور محدود معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے۔ مگر حدیث میں سنت سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ اور آپ کی ہدایت ہے، جس میں عقائد اور فرائض و واجبات بھی شامل ہیں۔ (معارف الحدیث)

محبتِ رسول ﷺ سے اتباعِ رسول ﷺ تک

ڈاکٹر انوار علی ابرار

اسلام میں محبتِ رسول ﷺ کوئی رسمی دعویٰ یا محض جذباتی وابستگی نہیں، بلکہ یہ وہ عملی تحریک ہے جو انسان کو اتباعِ رسول ﷺ (آپ ﷺ کے نقشِ قدم پر چلنے) پر مجبور کرتی ہے۔ محبتِ رسول ﷺ دین کی شاخ ہے تو اتباعِ رسول ﷺ اس کا پھل ہے۔ محبت ایک ایسا جذبہ اور بیج ہے جو دل میں بویا جائے تو اعمال کی صورت میں اتباعِ رسول ﷺ کا درخت بن کر سامنے آتا ہے۔ دینِ اسلام کی بنیادی تعلیمات میں رسول اللہ ﷺ سے سچی محبت اور والہانہ عقیدت کو ایمان کی پہلی شرط قرار دیا گیا ہے۔ ایمان اس وقت تک مکمل ہو ہی نہیں سکتا جب تک انسان کے دل میں نبی کریم ﷺ کی محبت کائنات کی ہر شے سے بڑھ کر نہ ہو جائے۔

حدیثِ مبارکہ میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اس کے نزدیک اس کے والد، اس کی اولاد اور تمام انسانوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں''۔ (صحیح البخاری)

یہ محبت صرف ایک طبعی یا جذباتی لگاؤ کا نام نہیں، بلکہ یہ مومن کے پورے وجود، اس کے خیالات، خواہشات اور ارادوں پر اس طرح غالب آ جاتی ہے کہ وہ شریعت کے سانچے میں ڈھل جاتا ہے۔ انسانی نفس کا یہ خاصہ ہے کہ وہ جس سے سچی محبت کرتا ہے، اس کی ہر ادا، پسند اور ناپسند کو اپنی زندگی کا حصہ بنا لیتا ہے۔ محبتِ رسول ﷺ کا بھی یہی تقاضا ہے کہ آپ ﷺ کی مرغوب چیزیں انسان کو پیاری لگیں اور جن چیزوں سے آپ ﷺ نے ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا، انسان ان سے دور بھاگے۔ قرآنِ کریم نے واضح کر دیا کہ اگر کوئی شخص اللہ اور اس کے رسول سے محبت کا دعویٰ کرتا ہے، تو اس دعوے کی سچائی کو پرکھنے کا ایک ہی معیار ہے اور وہ ہے اتباعِ رسول ﷺ۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ [آلِ عمران: 31]

''فرما دیجیے: اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا''۔

عام طور پر اطاعت اور اتباع کو ایک ہی معنی میں لے لیا جاتا ہے، لیکن ان میں ایک لطیف فرق ہے۔ اطاعت رسول اللہ ﷺ کے دیے گئے احکامات پر عمل کرنے کا نام ہے، جب کہ اتباع احکامات کی بجا آوری کے ساتھ ساتھ نبی کریم ﷺ کی عاداتِ مبارکہ، آپ ﷺ کے طرزِ زندگی، اٹھنے بیٹھنے، کھانے پینے اور اخلاقیات کی اس طرح پیروی کرنا کہ اس میں محبت اور دیوانگی کا عنصر شامل ہو۔ یعنی آپ ﷺ کی نقل اتارنے کی کوشش کرنا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زندگیاں اس موضوع کی سب سے بہترین عملی تفسیر ہیں۔ ان کی محبت زبانی نہیں تھی، بلکہ انہوں نے اپنی زندگیوں کو اسوۂ حسنہ کے سانچے میں ڈھال دیا تھا۔

آج ہمارے معاشرے میں محبتِ رسول ﷺ کا نعرہ تو بہت بلند ہے، لیکن عملی زندگی میں اتباعِ رسول ﷺ کا شدید فقدان نظر آتا ہے۔ ہم محافل میں تو عقیدت کا اظہار کرتے ہیں، لیکن جب بات سچ بولنے، امانت داری، ناپ تول میں کمی نہ کرنے اور اخلاقِ حسنہ کی آتی ہے، تو ہماری زندگیاں اسوۂ رسول ﷺ سے خالی نظر آتی ہیں۔ اس حقیقت کا ادراک کرنے کے بعد کہ جناب رسول ﷺ کی زندگی کا مقصد کیا تھا؟ انہوں نے کس مشن میں اپنی پوری

زندگی کا ایک ایک لمحہ لگایا۔ قرآن تین دفعہ رسول اللہ ﷺ کے بھیجے جانے کے مقصد کو واضح کرتا ہے :

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝ [الصف: 9]

''وہی ہے جس نے اپنے رسول کو (کامل) ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا کہ اسے سب دینوں پر غالب کرے چاہے مشرکوں کو کتنا ہی ناگوار گزرے''۔

یہی حق ہے اتباع رسول ﷺ کا کہ ایک امتی اپنی زندگی کا سب سے بڑا مقصد اسی مقصد کو بنا لے جو رسول اللہ ﷺ کا تھا یعنی غلبہ دین حق۔ اسی مقصد کے لیے رسول اللہ ﷺ نے قربانیاں دیں، تکلیفیں سہیں، بھوک برداشت کی، اپنا معتبر ترین اور پاکیزہ ترین خون اس زمین پر بہنے دیا اور اپنے جان سے پیارے صحابہ کی جانوں کا نذرانہ پیش کیا۔

ایک سچے مسلمان کی زندگی کا سفر محبتِ رسول ﷺ سے شروع ہو کر اتباعِ رسول ﷺ پر ہی مکمل ہوتا ہے۔ جب تک امت مسلمہ سنتوں کو زندہ نہیں کرے گی اور رسول اللہ ﷺ کے بتائے ہوئے راستے پر عملی طور پر گامزن نہیں ہوگی، تب تک دنیا اور آخرت میں حقیقی کامیابی کا حصول ناممکن ہے۔

حمدِ باری تعالیٰ جلّ جلالہٗ

حدِ قیاس کے ہر انتخاب میں تو ہے
حدیثِ ماضی و فردا کے باب میں تُو ہے

سمات و ارض و سماوات میں ترا پرتَو
کتابِ دہر کے ایک ایک باب میں تُو ہے

رواں دواں تری رحمت ہر ایک ساعت میں
نوشتِ عصر کے عنوان و باب میں تُو ہے

سحَر سحَر کے اجالوں میں، ظلمتِ شب میں
کرن کرن میں ترا عکس، تاب میں تُو ہے

کمالِ حسنِ صناعت میں، نقشِ فطرت میں
جمالِ قوسِ قُزح میں، شِہاب میں تُو ہے

دھنک دھنک میں ہے تیرے ہی وصف کی رنگت
شرار و برق کے ہر اِلتہاب میں تُو ہے

فُروغِ نجم و مہ و کہکشاں میں رخشندہ
سَوادِ لیل و شبِ ماہتاب میں تُو ہے

(خواجہ ریاض الدین عطشؔ)

نعتِ رسُولِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

سلام اے آمنہ کے لال اے محبوبِ سبحانی
سلام اے فخرِ موجودات فخرِ نوعِ انسانی

سلام اے ظلِّ رحمانی، سلام اے نورِ یزدانی
ترا نقشِ قدم ہے زندگی کی لوحِ پیشانی

سلام اے سرِّ وحدت اے سراجِ بزمِ ایمانی
زہے یہ عزت افزائی، زہے تشریف ارزانی

ترے آنے سے رونق آگئی گلزارِ ہستی میں
شریکِ حال قسمت ہوگیا پھر فضلِ ربانی

سلام اے صاحبِ خُلقِ عظیم انساں کو سکھلا دے
یہی اعمالِ پاکیزہ یہی اشغالِ روحانی

تری صورت تری سیرت، ترا نقشہ، ترا جلوہ
تبسم گفتگو، بندہ نوازی، خندہ پیشانی

حفیظ بے نوا بھی ہے گدائے کوچۂ الفت
عقیدت کی جبیں تیری مروت سے ہے نورانی

(حفیظ جالندھریؔ)

ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

زبان کی حفاظت اور اصلاحِ معاشرہ

ہم نے زبان کے غلط استعمال کو ہنسی مذاق سمجھ رکھا ہے اور طعن و تشنیع کو اپنے معمولات میں شامل کر رکھا ہے۔ حالانکہ اس کی ہلاکت خیزیاں اتنی ہیں کہ یہ فعل انسانوں کے تعلقات بگاڑتا ہے اور یہ بگاڑ بسا اوقات قطع تعلقات اور مستقل نفرت و عداوت پیدا کرنے کا باعث ہوتا ہے اور یہ عداوت مستقل شکل اختیار کر لیتی ہے۔ کتنے ہی خاندان ہیں جو زبان کے غلط استعمال سے تباہ ہو جاتے ہیں، کتنی ہی سہاگنوں کے سہاگ اجڑ جاتے ہیں اور وہ معلق ہو کر اپنی جوانی کو ماں کے گھٹنے سے لگ کر گزار دیتی ہیں، کتنے ہی مرد و عورت ہیں جو بے راہ روی اختیار کر لیتے ہیں، کتنے معصوم بچے ہیں جن کی اٹھان غلط رخ پر ہوتی ہے، وہ آوارہ ہو کر معاشرے کے لیے بوجھ بن جاتے ہیں۔

ان تمام خرابیوں کا علاج سورۃ الاحزاب کی ان دو آیات میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے تجویز فرما دیا گیا: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۙ ''اے اہل ایمان! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور درست بات کہا کرو۔'' اس تقویٰ الٰہی اور قولِ سدید کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال درست اور اصلاح یافتہ کرے گا اور تمہاری خطاؤں اور لغزشوں کو معاف فرما دے گا: يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ جو شخص گھر کی زندگی میں اللہ کا تقویٰ اختیار کرے گا اور زبان کے استعمال میں محتاط رہے گا ظاہر ہے کہ زندگی کے دوسرے تمام معاملات میں اس کی شخصیت میں اس عمل کی برکات کا ظہور ہوگا۔ اس کی زندگی دورنگی نہیں ہوگی، جس کا عام طور پر مشاہدہ ہوتا ہے کہ ایک شخص باہر والوں کے لیے بڑا خوش مزاج، بااخلاق، حلیم و شفیق اور خلیق ہے، لیکن گھر والوں کے لیے فرعونِ بے سامان بنا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو ایسے دورخی، دوغلی اور دورنگی زندگی اختیار کرنے والے قطعی ناپسند ہیں۔

(اسلامی نظامِ حیات)

اقتباس نگرانِ انجمن خدّام القرآن، کراچی

شجاع الدین شیخ حفظہ اللہ

امت مسلمہ کا عروج وزوال

یہ اُمت جو کلمہ کی بنیاد پر کھڑی کی گئی اور جسے اللہ کے رسول ﷺ نے ترتیب دیا، جو منتخب اُمت تھی، جب اس نے قرآن کو تھاما، قرآن سے ہدایت و رہنمائی حاصل کی، قرآن کو محض ثواب کی کتاب نہ سمجھا، بلکہ اس کو کتابِ انقلاب بھی سمجھا، اس کی تعلیمات کا اپنی زندگیوں میں نفاذ بھی کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس اُمت کو عروج عطا کیا۔

اس اُمت کا عروج مادی وسائل کی بنیاد پر نہیں تھا، مادی وسائل بھی ہونے چاہئیں، دنیا کے وسائل کا علم اور تحقیق ہونی چاہیے، مگر مسلمان کا بھروسا وسائل پر نہیں ہوتا، مسبب الاسباب پر ہوتا ہے۔ جنگ بدر میں رسول اللہ ﷺ کی قیادت میں تین سوتیرہ (313) کا لشکر ایک ہزار پر غالب رہا، حالانکہ مدمقابل کے پاس اسلحہ، گھوڑے اور دیگر وسائل کئی گنا زیادہ تھے، مگر مومنین کا لشکر اللہ پر بھروسا کر رہا تھا۔ یہ وہ مومنین تھے جو اللہ کے دین کی خاطر اپنا گھربار، عزیز رشتہ دار، سب کچھ چھوڑ کر آئے تھے۔ اس دن کو اللہ نے 'یوم الفرقان' قرار دیا ہے۔ معلوم ہوا کہ اہلِ ایمان اگر اللہ کے ساتھ مخلص ہوں تو اللہ کی مدد ان کو حاصل ہوتی ہے، چاہے مدمقابل وسائل کے لحاظ سے کتنا ہی بڑا اور ترقی یافتہ کیوں نہ ہو۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس قرآن کو اپنا عملی منشور بنایا تھا، راتوں کو تہجد میں وہ قرآن پڑھتے تھے، اسی قرآن سے ان کے ایمان کی آبیاری ہوئی تھی۔ قرآن خود کہتا ہے: وَاِذَا تُلِیَتۡ عَلَیۡهِمۡ اٰیٰتُهٗ زَادَتۡهُمۡ اِیۡمَانًا [الانفال: 2] ''اور جب انہیں اس کی آیات پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو ان کے ایمان میں اضافہ ہو جاتا ہے۔''

اس وقت دنیا میں کم وبیش دو ارب کلمہ پڑھنے والے مسلمان ہیں، 57 مسلم ممالک ہیں، دنیا جہاں کے وسائل ہمارے پاس ہیں، عربوں کے پاس تیل کی دولت ہے، ہمارے پاس ایٹمی طاقت، بہترین فوج، بہترین میزائل ٹیکنالوجی ہے، ایران اور ترکی کے پاس بھی بہترین میزائل اور ڈرون ٹیکنالوجی ہے، ملائیشیا کے پاس معاشی ترقی ہے، دنیا کے ذہین اور باصلاحیت افراد ہمارے پاس ہیں مگر پچھلے سو برس سے سب سے زیادہ لہو مسلمانوں کا بہایا جا رہا ہے۔ فلسطین، کشمیر، برما، بھارت اور کئی علاقوں میں مسلمانوں کی نسل کشی کی جا رہی ہے۔ عراق، شام، لبنان، لیبیا، ایران اور افغانستان میں امریکہ نے مسلمانوں کا قتل عام کیا اور یہ لہو آج بھی لبنان، ایران، فلسطین، یمن اور عراق میں مسلمانوں کا بہہ رہا ہے۔ حالانکہ ہم اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان رکھتے ہیں، قرآن پر ایمان رکھتے ہیں، پھر ایسا ہمارے ساتھ کیوں ہو رہا ہے؟

(ندائے خلافت، شمارہ نمبر 30، خطاب جمعہ امیر محترم شجاع الدین شیخ صاحب، 31 جولائی 2026ء)

پیغام قرآن (آٹھویں قسط)

حافظ انجینئر نوید احمد رحمۃ اللہ علیہ

حافظ انجینئر نوید احمد رحمۃ اللہ علیہ نے رمضان المبارک 1432ھ (مطابق 2011ء) میں قرآن اکیڈمی، ڈیفنس میں نمازِ تراویح کے دوران دورۂ ترجمہ قرآن کا شرف حاصل کیا۔ یہ مبارک سلسلہ نہ صرف سامعین کے قلوب کو منور کر گیا، بلکہ اس کی مکمل ویڈیو ریکارڈنگ بھی کی گئی، جواب ''پیغامِ قرآن'' کے عنوان سے محفوظ اور دستیاب ہے۔

سورۃ البقرۃ

يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِىَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّىْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ۝۴۷

اے اولادِ اسرائیل! یاد کرو میری اس نعمت کو جو میں نے تم پر انعام کی اور بے شک میں نے تمہیں تمام جہان والوں پر فضیلت دی۔

کس طرح سے فضیلت دی، کیسے کیسے انعامات کیے، تفصیل آگے آرہی ہے۔

وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِىْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَـيْـــًٔـا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا ھُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝۴۸

ڈرو اس دن سے جب کہ کوئی جان کسی دوسری جان کے کچھ بھی کام نہ آسکے گی اور نہ اس کی طرف سے کوئی سفارش قبول کی جائے گی، اور نہ ہی اس کی طرف سے کوئی عدل یعنی کوئی فدیہ قبول کیا جائے گا، اور نہ ہی ان کی کوئی مدد کی جائے گی۔

انسان کے ذہن میں آخرت کی پکڑ کے حوالے سے جو چور دروازے ہوسکتے ہیں، اللہ نے سب کی نفی کر دی۔ کوئی انسان کسی دوسرے انسان کے کام نہ آئے گا۔ کوئی سفارش قبول نہیں کی جائے گی اور نہ ہی کوئی جرمانہ دے کر، کوئی فدیہ دے کر انسان اپنے آپ کو عذاب سے بچا سکے گا۔

اب اللہ تعالیٰ کے بنی اسرائیل پر احسانات کا بیان شروع ہوتا ہے۔

وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْۗءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَاۗءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَاۗءَكُمْ ۔

یاد کرو جب کہ ہم نے تمہیں بچا لیا آلِ فرعون سے، وہ تمہیں پہنچا رہے تھے بدترین عذاب، وہ تمہارے بیٹوں کو قتل کر دیتے تھے، اور تمہاری عورتوں کو زندہ رکھتے تھے۔

فرعون نے بنی اسرائیل کی آبادی کو کنٹرول کرنے کے لیے یہ سزا نافذ کر دی کہ جوان کے ہاں بچہ پیدا ہو اس کو ذبح کر دو اور ان کی عورتوں کو زندہ رکھو تاکہ ہم ان سے خدمت لے سکیں۔ تو بنی اسرائیل کی آبادی کو کم کرنے کے لیے اس نے یہ ظالمانہ فیصلہ کیا۔ مزید تفصیلات ان شاء اللہ آگے اس کے بارے میں آئیں گی۔

وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَاۗءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ۝۴۹

اور (اے بنی اسرائیل!) اس میں تمہارے لیے تمہارے رب کی طرف سے بہت بڑی آزمائش تھی۔

وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۝۵۰

اور یاد کرو جب کہ ہم نے دریا کو تمہارے لیے پھاڑ دیا، تو ہم نے تمہیں بچا لیا اور آلِ فرعون کو غرق کر دیا، جب کہ تم دیکھ رہے تھے۔

اس کی تفصیلات آگے آئیں گی۔ اصل میں یہ بحرِ احمر تھا، لیکن شمال میں جا کر بحرِ احمر کی دو ایسی شاخیں نکلتی ہیں جو دریاؤں کی شکل اختیار کر لیتی ہیں۔

ایک خلیج سویس کہلاتی ہے اور ایک خلیج عقبہ کہلاتی ہے۔ خلیج سویس سے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو اس طرح سے پار کرایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عصا مارا اور پانی ہٹ گیا اور درمیان میں خشک راستہ وجود میں آگیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم اس راستے سے گزر کر خلیج سویس کے اس پار چلے گئے اور اس کے بعد فرعون کا لشکر ان کا پیچھا کرتا ہوا آیا اور جب وہ اس خشک راستے کے عین بیچ میں پہنچا تو دریا دوبارہ مل گیا اور فرعون اور اس کا لشکر غرق ہو گیا۔ وہ دراصل بحر، یعنی سمندر ہے، لیکن چونکہ اس نے خلیج سویس اور خلیج عقبہ کے مقامات پر دریا کی شکل اختیار کر لی ہے، اسی لیے قرآن مجید میں دونوں طرح کی اصطلاحات آئی ہیں، کہیں اسے بحر کہا گیا اور کہیں اسے یم یعنی دریا سے تعبیر کیا گیا۔

وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ۔

اور یاد کرو جب کہ ہم نے موسیٰ سے عہد لیا چالیس راتوں کا۔

فرعون کے غرق ہونے کے بعد جب بنی اسرائیل صحرائے سینا میں پہنچے تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہِ طور پر بلایا تاکہ انہیں تورات عطا کریں اور تورات عطا کرنے سے پہلے اللہ نے ان سے چالیس دن کے روزے رکھوائے اور اس کے بعد انہیں تورات عطا فرمائی۔ فرمایا:

ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۵۱﴾

لیکن تم نے موسیٰ کے پیچھے بچھڑے کو معبود بنا لیا اور تم ہو ہی ظالم۔

ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۲﴾

پھر ہم نے اس کے بعد تمہیں معاف کیا، تاکہ تم شکر کرو اور ہمارا احسان مانو۔

وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۵۳﴾

اور یاد کرو جب کہ ہم نے موسیٰ کو دی کتاب یعنی فرقان، یعنی وہ کتاب جو حق اور باطل میں فرق کرنے والی تھی۔ اس لیے دی تاکہ تم اس سے ہدایت حاصل کرو۔

اللہ تعالیٰ کی کتابیں اس لیے نہیں آتیں کہ انہیں پڑھ کر صرف ہم ثواب کما لیں یا ایصالِ ثواب کر دیں۔ اللہ تعالیٰ کتابیں اس لیے عطا فرماتا ہے تاکہ لوگ انہیں سمجھ کر، پڑھ کر ان سے ہدایت حاصل کریں۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِىِٕكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۔

اور یاد کرو جب کہا تھا موسیٰ نے اپنی قوم سے، اے میری قوم کے لوگو! تم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا، اپنے بچھڑے کو معبود بنانے کے عمل سے، تو اپنے خالق کی بارگاہ میں توبہ کرو اور اپنوں کو قتل کرو۔

جن لوگوں نے بچھڑے کو معبود بنایا ہے، وہ مرتد ہو چکے ہیں اور شریعت میں مرتد کی سزا قتل ہے، لہٰذا اپنے ایسے عزیزوں کو اپنے ہاتھوں سے قتل کرو جنہوں نے بچھڑے کو معبود بنایا ہے۔

ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِىِٕكُمْ ؕ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۵۴﴾

یہ زیادہ بہتر ہے تمہارے خالق کے نزدیک، پس وہ تم پہ نظرِ کرم کرے گا، بے شک وہ نظرِ کرم کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔

ستر ہزار افراد نے یہ جرم کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے حکم پر ان کا قتلِ عام شروع ہوا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے مسلسل دعا کرتے رہے اور جب تین ہزار افراد قتل کیے جا چکے تو اللہ کی طرف سے معافی آگئی اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے باقی لوگوں کی سزا کو معاف فرما دیا۔

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۵﴾

اور یاد کرو جب تم نے کہا تھا کہ اے موسیٰ! ہم ہرگز تمہاری بات نہیں مانیں گے یہاں تک کہ ہم اللہ کو بالکل سامنے دیکھ نہ لیں۔ پھر تمہیں آ پکڑا بجلی نے جب کہ تم دیکھ رہے تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب تورات ملی اور آپ نے اپنی قوم سے کہا کہ مجھے اللہ نے تورات دی ہے، تو قوم نے آپ کی بات ماننے سے انکار کر دیا اور کہا کہ بتائیے تورات کہاں ملی ہے؟ تو آپ اپنی قوم میں سے ستر سرداروں کو چن کر لے گئے اور آپ نے انہیں کوہِ طور پر پہنچایا کہ مجھے یہاں تورات ملی ہے۔ وہاں جا کر انہوں نے مطالبہ کر دیا کہ آپ کہتے ہیں کہ آپ یہاں پر اللہ سے گفتگو کرتے رہے ہیں اور اللہ نے آپ کو شرفِ ہمکلامی بخشا ہے، ہم

بھی اللہ تعالیٰ کو دیکھنا چاہتے ہیں۔ جب انہوں نے یہ مطالبہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے غضب کا اظہار کیا اور بجلی کے ذریعے سے ان پر آفت بھیجی اور ان سب کو ہلاک کر دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اللہ میں اپنی قوم کو جا کر کیا منہ دکھاؤں گا؟ قوم کہے گی کہ تم ستر سرداروں کو لے گئے اور وہاں جا کر انہیں مروا دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو اللہ نے ان کی دعا سنی اور ان سرداروں کو دوبارہ زندہ کیا۔

ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۶﴾

پھر ہم نے تمہیں تمہاری موت کے بعد دوبارہ زندہ کیا تاکہ تم اللہ تعالیٰ کا احسان مانو۔

وَ ظَلَّلْنَا عَلَیْكُمُ الْغَمَامَ

اور ہم نے تمہارے اوپر سایہ کیا بادلوں کا۔

چھ لاکھ افراد صحرائے سینا میں تھے اور دھوپ کی وجہ سے پریشان تھے۔ وہ فرعون کے چنگل سے آزاد ہو کر مصر سے ہجرت کر کے آئے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو اللہ نے ان کے سائے کے لیے بادلوں کو بھیج دیا۔

وَ اَنْزَلْنَا عَلَیْكُمُ الْمَنَّ وَ السَّلْوٰىؕ

اور ہم نے تم پر نازل کیا من اور سلویٰ۔

من اور سلویٰ کیا ہے؟ مفسرین کی اس حوالے سے مختلف آراء ہیں۔ ایک رائے یہ ہے کہ من یہ شبنم کے قطرے تھے جو گر کر دانوں کی طرح جم جاتے تھے اور انہیں بنی اسرائیل اناج کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ سلویٰ بٹیر کی طرح کے چھوٹے چھوٹے پرندے تھے، ان کے جھنڈ کے جھنڈ آتے تھے اور بڑی آسانی سے بنی اسرائیل انہیں پکڑ لیتے تھے، یہ گویا ان کے لیے ایک گوشت تھا۔

كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْؕ وَ مَا ظَلَمُوْنَا وَ لٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ ﴿۵۷﴾

کھاؤ اس پاکیزہ رزق میں سے جو ہم نے تمہیں دیا ہے، انہوں نے ہمارا کچھ نہیں بگاڑا، ہمارا کچھ نقصان نہیں کیا، لیکن وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہے۔

وَ اِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْیَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَیْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّ قُوْلُوْا حِطَّةٌ

اور یاد کرو جب ہم نے کہا تھا کہ اس بستی میں داخل ہو جاؤ، اور اس میں سے کھاؤ جہاں سے چاہو جی بھر کر اور داخل ہونا عاجزی کے ساتھ، جھکتے ہوئے اور کہتے جانا 'حِطَّةٌ حِطَّةٌ حِطَّةٌ'، اے اللہ! بخش دے۔ اے اللہ! بخش دے۔ اے اللہ! بخش دے۔

نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰیٰكُمْؕ وَ سَنَزِیْدُ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۵۸﴾

ہم تمہاری خطاؤں کو معاف کر دیں گے اور جو نیک لوگ ہیں ہم انہیں مزید عطا کریں گے۔

اللہ تعالیٰ نے جب صحرائے سینا کے بعد ایک شہر کی پہلی فتح دی تو حکم دیا کہ شہر میں داخل ہونا عاجزی کے ساتھ، جھکتے ہوئے اور یہ کہتے ہوئے داخل ہونا کہ اے اللہ! ہماری بخشش فرما دے، ہماری بخشش فرما دے، ہماری بخشش فرما دے۔ اگر تم اس انداز سے شہر میں داخل ہوئے اور دیگر فاتح اقوام کی طرح تکبر کا مظاہرہ نہیں کیا، بلکہ عاجزی کے ساتھ داخل ہوئے اور اللہ تعالیٰ سے بخشش کی دعا مانگی تو اللہ تعالیٰ تمہاری خطاؤں کو معاف فرما دے گا اور تم میں سے جو لوگ نیک ہوں گے اللہ انہیں مزید نعمتیں بھی عطا کرے گا۔

فَبَدَّلَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَیْرَ الَّذِیْ قِیْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا یَفْسُقُوْنَ ﴿۵۹﴾

پس بدل دیا ان لوگوں نے جنہوں نے ظلم کیا بات کو برعکس اس بات کے جو ان سے کہی گئی تھی، اور ہم نے نازل کیا ان لوگوں پر جنہوں نے ظلم کیا تھا آسمان سے عذاب، اس نافرمانی کی وجہ سے جو وہ کرتے رہے۔

انہوں نے 'حِطَّةٌ' کہنے کے بجائے 'حِنْطَةٌ حِنْطَةٌ حِنْطَةٌ' کہنا شروع کر دیا، یعنی گندم گندم گندم۔ گویا وہ کہنے لگے کہ ہم من اور سلویٰ کھا کر اکتا چکے ہیں، اب ہمیں گندم چاہیے۔

(جاری ہے۔۔۔)

عبادت، دعا اور روحانی استحکام

فاروق احمد

استاذ قرآن انسٹیٹیوٹ گلستان جوہر

نوجوانی کی زندگی بظاہر بہت حرکت، بہت شور اور بہت مصروفیت سے بھری ہوتی ہے، مگر اس کے اندر ایک خاموش پیاس بھی ہوتی ہے جسے ہر چیز بجھا نہیں سکتی۔ انسان کے پاس دوست ہوں، مصروفیات ہوں، مستقبل کے منصوبے ہوں، تعلیم ہو، صلاحیت ہو اور بظاہر کامیابی کے امکانات بھی ہوں، تب بھی دل کے اندر ایک ایسی جگہ باقی رہتی ہے جو صرف دنیاوی مصروفیات سے نہیں بھرتی۔ یہی وہ مقام ہے جہاں عبادت، دعا اور اللہ تعالیٰ سے تعلق کی اصل اہمیت سامنے آتی ہے۔ اگر یہ تعلق مضبوط ہو تو انسان کے اندر ایک باطنی مرکز پیدا ہو جاتا ہے اور اگر یہ تعلق کمزور ہو جائے تو بسا اوقات ظاہری کامیابیوں کے باوجود دل منتشر، بے چین اور غیر محفوظ محسوس کرتا ہے۔ اسی لیے روحانی استحکام نوجوانی کے لیے کوئی ثانوی چیز نہیں، بلکہ پوری شخصیت کی بنیادوں میں سے ایک بنیاد ہے۔

آج کے نوجوان کو سب سے زیادہ جس چیز نے تھکایا ہے، وہ صرف مصروفیت نہیں، بلکہ اندرونی بے ربطی ہے۔ اس کے دن مختلف سمتوں میں کھنچتے رہتے ہیں۔ تعلیم ایک طرف بلا رہی ہے، کیریئر دوسری طرف، خاندان کی توقعات اپنی جگہ موجود ہیں، سوشل میڈیا ہر وقت توجہ مانگ رہا ہے اور باطن کے اندر خوف، موازنہ، خواہش اور بے یقینی کا ایک سلسلہ جاری رہتا ہے۔ ایسے میں انسان اگر صرف ظاہری منصوبہ بندی سے اپنے آپ کو سنبھالنا چاہے تو کچھ حد تک نظم تو پیدا ہو سکتا ہے، مگر سکون پیدا نہیں ہوتا۔ سکون ایک باطنی کیفیت ہے اور باطن کا سب سے بڑا سہارا اللہ تعالیٰ سے تعلق ہے۔

قرآن مجید نے اس حقیقت کو نہایت سادہ مگر گہرے انداز میں بیان کیا ہے کہ دلوں کا اطمینان اللہ کے ذکر سے ہوتا ہے۔ یہ ایک ایسا اصول ہے جو ہر دور میں سچا رہا ہے اور آج کے اضطراب زدہ نوجوان کے لیے شاید پہلے سے بھی زیادہ سچا ہے۔

عبادت کا مفہوم اگر صرف چند رسمی افعال تک محدود کر دیا جائے تو انسان اس کی اصل قوت کو نہیں سمجھ پاتا۔ عبادت دراصل بندے کا اپنے رب کے سامنے جھکنا، اپنی کمزوری کو تسلیم کرنا، اپنی احتیاج کو پہچاننا اور اپنی پوری زندگی کو الٰہی رضا کے تابع کرنے کی کوشش ہے۔ نماز اس کا سب سے روشن اظہار ہے، مگر عبادت کی روح اس سے کہیں وسیع ہے۔ جب انسان سچائی اختیار کرتا ہے، حلال کو چنتا ہے، نیت کو درست رکھتا ہے، حرام سے بچتا ہے، اپنی خواہشات کو قابو میں لاتا ہے اور دل کو اللہ کی طرف متوجہ رکھتا ہے، تو وہ عبادت کے دائرے میں داخل ہوتا ہے۔ اس لیے روحانی استحکام صرف نمازوں کی گنتی کا نام نہیں، بلکہ ایک ایسے باطن کی تعمیر ہے جو ہر حال میں اللہ کی طرف رجوع کرنا جانتا ہو۔

نوجوانی میں عبادت کی اہمیت اس لیے اور بھی بڑھ جاتی ہے کہ یہی وہ عمر ہے، جب دل پر سب سے زیادہ اثرات پڑتے ہیں۔ انسان جس چیز کے ساتھ اس مرحلے میں اپنا تعلق مضبوط کرتا ہے، وہی چیز بعد میں اس کے دل کا مرکز بننے لگتی ہے۔ اگر اس عمر میں دل دنیا کی تعریف، لوگوں کی رائے، ظاہری مقبولیت، یا خواہشات کی پیروی سے بندھ جائے، تو آہستہ آہستہ انسان کی روحانی حساسیت کمزور ہونے لگتی ہے۔ لیکن اگر اسی عمر میں نماز،

دعا، تلاوت، ذکر اور خلوت میں اللہ سے بات کرنے کی عادت پیدا ہو جائے، تو یہ عادت پوری زندگی کے لیے اندرونی پناہ گاہ بن جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض نوجوان کم وسائل کے باوجود زیادہ مطمئن نظر آتے ہیں اور بعض سب کچھ رکھتے ہوئے بھی اندر سے خالی محسوس کرتے ہیں۔ فرق اکثر باہر کے حالات سے زیادہ اندر کے تعلق میں ہوتا ہے۔

نماز روحانی استحکام کا پہلا ستون:

یہ صرف ایک فرض نہیں، بلکہ دن کے اندر بار بار بکھر جانے والے انسان کو دوبارہ جوڑنے کا نظام ہے۔ جب نوجوان اپنی مصروف زندگی کے درمیان نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو وہ گویا اپنی روح کو یاد دلاتا ہے کہ اس کی اصل نسبت کہاں ہے۔ دنیا اپنی جگہ موجود ہے، ذمہ داریاں اپنی جگہ ہیں، مگر سب سے بڑا تعلق اپنے رب سے ہے۔ نماز انسان کو اپنے آپ سے باہر نکال کر اللہ کے سامنے لے آتی ہے۔ وہ اسے یہ سکھاتی ہے کہ تم مکمل خود کفیل نہیں، تمہیں مدد درکار ہے، تم صرف منصوبہ ساز نہیں، محتاج بھی ہو، تم صرف دوڑنے والے نہیں، رکنے والے بھی ہو۔ یہی رکنا، یہی جھکنا، یہی پڑھنا، یہی سننا، یہی دعا کرنا، آہستہ آہستہ دل کے بکھراؤ کو کم کرتا ہے۔

بعض نوجوان نماز کو بوجھ اس لیے محسوس کرتے ہیں کہ انہوں نے اسے روح کی غذا کے بجائے محض ایک رسمی ذمہ داری سمجھ رکھا ہوتا ہے۔ جب تک عبادت کو صرف ایک فہرستی کام سمجھا جائے گا، اس کا ذائقہ محسوس نہیں ہوگا۔ لیکن جب انسان یہ سمجھنا شروع کرتا ہے کہ نماز اس کے دل کی حفاظت ہے، اس کی فکر کی صفائی ہے، اس کے گناہوں کے درمیان ایک دیوار ہے اور اس کی بے چینی کے مقابلے میں ایک سکون بخش پناہ ہے، تو پھر نماز کا تعلق بدلنے لگتا ہے۔ یہ بات بھی سمجھنے کی ہے کہ ابتدا میں خشوع ہر ایک کو فوراً حاصل نہیں ہوتا۔ کبھی دل بھٹکتا ہے، کبھی توجہ کمزور ہوتی ہے، کبھی نماز جلدی میں ادا ہوتی ہے۔ مگر اس کا حل نماز چھوڑنا یا سرد مہری اختیار کرنا نہیں، بلکہ اسی دروازے پر بار بار حاضر ہونا ہے۔ روحانی لذت بھی مسلسل وفاداری کے بعد ملتی ہے۔

دعا روحانی زندگی کا دوسرا بنیادی دروازہ:

دعا انسان کے دل کو زندہ رکھتی ہے، کیونکہ اس میں بندہ براہِ راست اپنے رب سے ہم کلام ہوتا ہے۔ وہ اپنی کمزوری، خوف، امید، لغزش، خواہش اور احتیاج سب کچھ اس کے سامنے رکھتا ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ دعا خود عبادت ہے۔ اس تعلیم سے معلوم ہوتا ہے کہ دعا محض ضرورت کے وقت مانگی جانے والی چیز نہیں، بلکہ بندگی کا ایک مستقل اظہار ہے۔ نوجوانی میں دعا کی خاص اہمیت اس لیے ہے کہ اس عمر میں انسان کے سوال بھی بہت ہوتے ہیں، خوف بھی، انتخاب بھی، لغزشیں بھی اور آرزوئیں بھی۔ اگر نوجوان دعا کا راستہ اپنا لے تو اس کی اندرونی دنیا میں ایک نرمی اور امید پیدا ہوتی ہے۔ وہ اپنے مسائل کو تنہا نہیں اٹھاتا، بلکہ انہیں اپنے رب کے سامنے رکھنا سیکھتا ہے۔

دعا کا ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ وہ انسان کو مصنوعی خود اعتمادی سے بچاتی ہے۔ آج کے زمانے میں نوجوان کو یہ سکھایا جاتا ہے کہ سب کچھ خود کرو، خود سوچو، خود بنو، خود پاؤ، خود کھڑے رہو۔ اس میں محنت اور ذمہ داری کا پہلو اپنی جگہ درست ہے، مگر اگر انسان یہ بھول جائے کہ وہ اپنے رب کی مدد کے بغیر کچھ بھی نہیں، تو اس کی خود اعتمادی جلد ہی یا تو تکبر میں بدلتی ہے یا مایوسی میں۔ دعا انسان کو ایک متوازن مقام پر رکھتی ہے۔ وہ کوشش بھی کرتا ہے، مگر اللہ سے مدد بھی مانگتا ہے۔ وہ منصوبہ بھی بناتا ہے، مگر دعا بھی کرتا ہے۔ وہ گرتا بھی ہے، مگر واپس اٹھنے کے لیے بھی اللہ کو پکارتا ہے۔ یہی توازن روحانی استحکام کو جنم دیتا ہے۔

قرآن نے صبر اور نماز کے ذریعے مدد مانگنے کی تعلیم دی:

یہ تعلیم نوجوان کی عملی زندگی سے بہت گہرا تعلق رکھتی ہے۔ جب تعلیم کا دباؤ ہو، خاندان کی طرف سے توقعات ہوں، مستقبل کے فیصلے پیچیدہ ہوں، دل میں غم یا الجھن ہو، یا نفس کسی آزمائش میں ہو، تب انسان یا تو ٹوٹنے لگتا ہے یا غلط راستے سے راحت ڈھونڈتا ہے۔ قرآن اسے سکھاتا ہے کہ مدد

کے دروازے کہاں ہیں: صبر اور نماز۔ صبر کا مطلب خاموشی سے گھٹتے رہنا نہیں بلکہ اپنے آپ کو سنبھالے رکھنا، جلد بازی سے بچنا، اور حق پر قائم رہنا ہے۔ نماز اس صبر کو رب سے جوڑ دیتی ہے۔ اس طرح بندہ صرف برداشت نہیں کرتا، بلکہ اللہ کے ساتھ برداشت کرتا ہے اور یہی چیز اسے اندر سے مضبوط کرتی ہے۔

روحانی استحکام میں ذکر کا بھی بنیادی کردار:

ذکر صرف زبان کی حرکت نہیں، بلکہ دل کی بیداری ہے۔ جب انسان اللہ کا نام لیتا ہے، اس کی نعمتوں کو یاد کرتا ہے، اس کے احسانات پر شکر کرتا ہے اور اپنے دل کو بار بار اس کی طرف متوجہ کرتا ہے، تو آہستہ آہستہ باطن پر چھائی ہوئی گرد صاف ہونے لگتی ہے۔ ذکر انسان کو اس مسلسل غفلت سے نکالتا ہے جو دنیا کی کثرتِ مشاغل سے پیدا ہوتی ہے۔ نوجوان کے لیے ذکر اس لیے بھی اہم ہے کہ اس کی زندگی میں شور بہت ہے۔ بیرونی آوازیں اتنی زیادہ ہیں کہ دل کی اندرونی آواز اکثر دب جاتی ہے۔ ذکر اس خاموش مرکز کو دوبارہ زندہ کرتا ہے، جہاں انسان اللہ کے سامنے اپنے آپ کو پہچانتا ہے۔

صبح و شام کے اذکار، سونے سے پہلے کی دعا، کھانے پینے کے مسنون کلمات، سفر، خوف، خوشی اور غم کے مواقع پر وارد دعائیں، یہ سب محض روایتی الفاظ نہیں، بلکہ روحانی نظم کا حصہ ہیں۔ یہ انسان کی روزمرہ زندگی کو عبادت سے جوڑ دیتے ہیں۔ اس طرح دین صرف مسجد کی دیواروں کے اندر محدود نہیں رہتا، بلکہ صبح اٹھنے سے رات سونے تک انسان کی زندگی میں پھیل جاتا ہے۔ جو نوجوان یہ روحانی نظم اپنے معمولات میں شامل کر لیتا ہے، اس کے اندر ایک خاموش مگر مضبوط نور پیدا ہونے لگتا ہے۔ وہ ہر حال میں اپنے رب کو یاد کرنے لگتا ہے اور یہی یاد بعد میں فتنوں سے بچانے والی دیوار بنتی ہے۔

تلاوتِ قرآن روحانی استحکام کا ایک اور عظیم ذریعہ:

قرآن صرف معلومات کی کتاب نہیں، دلوں کی شفا بھی ہے۔ اگر نوجوان قرآن کو صرف امتحان، تلاوت یا ثواب تک محدود رکھے گا تو وہ اس کے اس باطنی اثر سے محروم رہ سکتا ہے جو دل کو نرم کرتا، فکر کو سیدھا کرتا اور زندگی کو معنی دیتا ہے۔ قرآن کے ساتھ ایسا تعلق مطلوب ہے جس میں تلاوت بھی ہو، ترجمہ بھی، تدبر بھی اور اپنی زندگی پر اس کے پیغام کو منطبق کرنے کی کوشش بھی۔ جب ایک نوجوان روزانہ چند آیات بھی سمجھ کر پڑھتا ہے تو اس کے اندر آہستہ آہستہ فکری صفائی اور روحانی تازگی پیدا ہوتی ہے۔ وہ اپنی حالت کو وحی کے آئینے میں دیکھنا شروع کرتا ہے اور یہی دیکھنا اصلاح کی بنیاد بنتا ہے۔

روحانی استحکام کے سفر میں خلوت کی اہمیت:

آج کی دنیا میں نوجوان مسلسل مجمع میں ہے، چاہے وہ جسمانی مجمع ہو یا ڈیجیٹل۔ وہ ہر وقت دوسروں کی آوازیں، تصویریں، خیالات اور تاثرات اپنے ذہن میں بھر رہا ہوتا ہے۔ اس حالت میں باطن تھک جاتا ہے۔ انسان کو کبھی کبھی ایسی خاموشی درکار ہوتی ہے جہاں وہ دنیا کے شور سے ہٹ کر اپنے دل کی خبر لے، اپنے گناہوں کو یاد کرے، اپنے مقصد کو تازہ کرے اور اپنے رب سے بے تکلف بات کرے۔ یہ خلوت روحانی کمزوری کی علامت نہیں، بلکہ باطنی صحت کی ضرورت ہے۔ بعض مضبوط ترین انسان وہ ہوتے ہیں جنھوں نے تنہائی میں اللہ سے تعلق بنانا سیکھ لیا ہو۔

یہ بھی ضروری ہے کہ نوجوان روحانی استحکام کو صرف جذباتی کیفیت نہ سمجھے۔ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جب دل میں بہت نرمی ہو، آنکھ میں آنسو ہوں یا عبادت میں غیر معمولی لذت محسوس ہو، تبھی روحانیت موجود ہے۔ حالانکہ روحانی استحکام کا ایک بڑا حصہ وفاداری میں ہے، کیفیت میں نہیں۔ کبھی دل حاضر ہوتا ہے، کبھی کمزور ہوتا ہے، کبھی عبادت میں لطف زیادہ ہوتا ہے، کبھی کم۔ مگر جو بندہ ان اتار چڑھاؤ کے باوجود عبادت کو نہیں چھوڑتا، دعا کو نہیں بھولتا، ذکر کو جاری رکھتا ہے اور اللہ کی طرف رجوع کرتا رہتا ہے، اسی کے اندر حقیقی استحکام پیدا ہوتا ہے۔ جذباتی کیفیت وقتی ہو سکتی

ہے، مگر وفاداری دیرپا قوت بن جاتی ہے۔

نوجوانی اور نفس کی آزمائشیں :

نوجوانی میں گناہ، غفلت اور کمزوری کے امکانات بھی زیادہ ہوتے ہیں۔ خواہشات قوی ہوتی ہیں، ماحول کھینچتا ہے اور بعض اوقات نفس بہت جلدی بہک جاتا ہے۔ ایسے میں روحانی استحکام کا سب سے اہم ذریعہ توبہ ہے۔ توبہ صرف بڑے گناہوں کے بعد کا عمل نہیں، بلکہ دل کی روزانہ صفائی کا ذریعہ ہے۔ جو نوجوان اپنے رب کے سامنے جھک کر مان لیتا ہے کہ اس سے کوتاہی ہوئی، وہ تکبر سے بچ جاتا ہے۔ اور جو توبہ کرتا رہتا ہے، اس کا دل سخت نہیں ہوتا۔ روحانی زندگی میں سب سے بڑا خطرہ گناہ کے بعد گناہ نہیں، بلکہ گناہ کے بعد بے حسی ہے۔ اگر توبہ زندہ ہو تو امید زندہ رہتی ہے اور امید زندہ ہو تو اصلاح کا سفر جاری رہتا ہے۔

عملی طور پر ایک نوجوان اگر اپنی روحانی زندگی کو مضبوط کرنا چاہے تو اسے بہت بڑے منصوبوں سے پہلے چند بنیادی معمولات اختیار کرنے چاہییں۔ نمازوں کی پابندی کو بنیاد بنائے۔ صبح یا رات کسی ایک وقت قرآن کے لیے مختص کرے۔ روزانہ مختصر دعا اور ذکر کا معمول بنائے۔ دن میں چند لمحے خاموشی اور محاسبے کے لیے رکھے۔ ہر لغزش کے بعد فوراً رجوع کرے اور کبھی کبھی اپنے آپ کو دنیا کے شور سے نکال کر اللہ کے حضور تنہائی میں بیٹھنے کی عادت ڈالے۔ یہ اعمال بظاہر چھوٹے ہیں مگر یہی چھوٹے اعمال روحانی ڈھانچے کو مضبوط کرتے ہیں۔

نوجوان کی روحانی زندگی کا کمال صرف اس پر ختم نہیں ہوتا کہ وہ اپنی ذات کو سنوار لے، بلکہ اس کے دل میں یہ درد بھی پیدا ہونا چاہیے کہ اللہ کا دین اس دنیا میں مغلوب، کمزور یا محض نجی عبادات تک محدود نہ رہے، بلکہ زندگی کے میدانوں میں غالب، مؤثر اور زندہ حقیقت بنے۔

جب ایک نوجوان اپنے رب سے سچا تعلق قائم کرتا ہے تو اس کے اندر صرف ذاتی نجات کی فکر نہیں رہتی، بلکہ وہ امت کی حالت، معاشرے کی گمراہی، باطل کے غلبے اور خیر کی کمزوری کو بھی محسوس کرنے لگتا ہے۔ پھر اس کے دل میں یہ آرزو پیدا ہوتی ہے کہ دین صرف مسجدوں میں نہیں بلکہ تعلیم، اخلاق، معیشت، خاندان، تہذیب اور اجتماعی زندگی میں بھی اپنی روشنی پھیلائے۔ ایسی کیفیت میں عبادت انسان کو گوشہ نشین نہیں بناتی بلکہ اسے بیدار، حساس اور ذمہ دار بناتی ہے۔ وہ یہ سمجھنے لگتا ہے کہ دین کے غلبے کے لیے دعا بھی چاہیے، علم بھی، کردار بھی، دعوت بھی، صبر بھی اور قربانی بھی۔ پھر وہ اپنے وقت، اپنی صلاحیت، اپنی جوانی، اپنے وسائل اور اپنی توانائی کو اس بڑے مقصد کے لیے وقف کرنے کا حوصلہ پیدا کرتا ہے۔

اس کے دل میں یہ یقین بھی زندہ رہتا ہے کہ دین کو قائم کرنا اہلِ ایمان کی بڑی ذمہ داریوں میں سے ہے، برائی کو اپنی طاقت کے مطابق بدلنے کی فکر ایمان کا تقاضا ہے اور کمزوری و پسپائی اہلِ حق کا شیوہ نہیں۔ جب یہ تڑپ دل میں جاگتی ہے تو نوجوان صرف اپنی اصلاح تک محدود نہیں رہتا بلکہ اپنے آپ کو امت کے درد، دعوت کے کام اور اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے پیش کرنے لگتا ہے۔ یہی وہ کیفیت ہے جو ایک عام نیک نوجوان کو ایک بیدار داعی، ایک ذمہ دار مسلمان اور ایک صاحبِ مقصد انسان میں بدل دیتی ہے۔

آخر کار علم، مطالعہ اور فکری تعمیر کا مقصد یہ نہیں کہ نوجوان صرف زیادہ جاننے لگے، بلکہ یہ ہے کہ وہ بہتر انسان بنے۔ اس کا ذہن صاف ہو، اس کی ترجیحات درست ہوں، اس کے فیصلے متوازن ہوں، اس کے اندر حق کی پہچان ہو اور اس کی شخصیت میں سنجیدگی ہو۔ ایسا نوجوان نہ ہر شور سے متاثر ہوتا ہے، نہ ہر رجحان کے پیچھے بھاگتا ہے، نہ ہر سطحی بات کو سچ مان لیتا ہے۔ وہ سوچتا ہے، سمجھتا ہے، وزن کرتا ہے اور پھر فیصلہ کرتا ہے۔ یہی فکری پختگی ایک مضبوط کردار کی بنیاد بنتی ہے۔ اور یہی وہ مقام ہے جہاں علم محض معلومات نہیں رہتا، بلکہ نور، بصیرت اور تعمیرِ ذات کا وسیلہ بن جاتا ہے۔

شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ

علم، عمل، آزادی اور استقامت کی داستان (پہلی قسط)

امین اللہ معاویہ

فاضل جامعہ الصفہ، معاون شعبۂ تصنیف و تالیف قرآن اکیڈمی یاسین آباد

انیسویں اور بیسویں صدی کا برصغیر مسلمانوں کے لیے سیاسی زوال، دینی و تہذیبی اضطراب اور اجتماعی مشکلات کا دور تھا۔ 1857ء کی ناکامی کے بعد مسلمانوں کی سیاسی قوت کمزور ہو چکی تھی اور ان کے دینی تشخص، علمی روایت اور تہذیبی اقدار کو بھی مختلف چیلنجز درپیش تھے۔ ایسے نازک دور میں اللہ تعالیٰ نے ایسی باکمال شخصیات پیدا فرمائیں، جنھوں نے علم و اصلاح کے ساتھ ملت کی رہنمائی اور آزادی کی جدوجہد میں بھی نمایاں کردار ادا کیا۔ انہی میں شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کا نام نہایت نمایاں ہے۔

شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ جلیل القدر عالم دین، محدث، مدرس، مربی اور صاحبِ بصیرت رہنما ہونے کے ساتھ برصغیر کی آزادی اور مسلمانوں کی دینی و ملی بیداری کے لیے سرگرم جدوجہد کرنے والے عظیم عالم اور مجاہد تھے۔ ان کی شخصیت میں علم و عمل، تدریس و تربیت، دینی بصیرت اور ملی شعور اس طرح جمع ہوئے کہ وہ محض ایک عالم یا مدرس نہ رہے، بلکہ اپنے عہد کی ایک مؤثر اور عہد ساز شخصیت بن گئے۔

ان کی زندگی کا سفر دارالعلوم دیوبند کی علمی فضا سے شروع ہو کر تدریس و تربیت، اصلاح و دعوت اور پھر آزادی کی جدوجہد کے مختلف مراحل سے گزرا۔ ان کی تحریکات، آزمائشیں، اسیری، رہائی کے بعد کی خدمات اور علمی ورثہ سب اسی ہمہ گیر فکر کے مختلف مظاہر ہیں۔ ان کے نزدیک علم محض حصولِ معلومات کا نام نہ تھا، بلکہ وہ اسے کردار سازی، دینی بیداری اور اجتماعی ذمہ داری کا ذریعہ سمجھتے تھے۔

زیرِ نظر مضمون میں شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی حیاتِ مبارکہ اور شخصیت کے انہی مختلف پہلوؤں کا جائزہ لیا جائے گا، تاکہ یہ واضح ہو سکے کہ ایک عالمِ دین اپنے عہد کے فکری، دینی اور ملی مسائل کا سامنا علم، بصیرت، اخلاص، حکمت اور استقامت کے ساتھ کس طرح کر سکتا ہے۔

ولادت، خاندان اور ابتدائی تربیت:

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت باسعادت 1268ھ مطابق 1851ء میں بریلی اتر پردیش، ہندوستان میں ہوئی اور ان کا تعلق دیوبند کے عثمانی خاندان سے تھا۔ ان کے والدِ گرامی حضرت مولانا ذوالفقار علی دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ محکمۂ تعلیم سے وابستہ تھے۔ مولانا ذوالفقار علی رحمۃ اللہ علیہ اپنے عہد کے ممتاز عالم، عربی زبان و ادب کے صاحبِ ذوق اور دینی و علمی حلقوں میں قدر و منزلت رکھنے والے بزرگ تھے۔ دارالعلوم دیوبند کے قیام اور ابتدائی ترقی میں بھی ان کا اہم کردار تھا۔

محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ نے ایک ایسے علمی گھرانے میں آنکھ کھولی جہاں دین، علم اور دینی خدمت زندگی کا لازمی حصہ تھے، چنانچہ ان کی ابتدائی تربیت بھی اسی علمی ماحول میں ہوئی۔ تقریباً چھ سال کی عمر میں ان کی تعلیم کا آغاز ہوا۔ قرآنِ مجید اور فارسی کی ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد انہوں نے عربی و فارسی کی مزید کتابیں اپنے چچا حضرت مولانا مہتاب علی رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھیں۔ کم عمری ہی سے ان کے اندر حصولِ علم کا ذوق نمایاں ہو گیا تھا۔

یہ وہ زمانہ تھا جب برصغیر کی سیاسی اور اجتماعی صورتِ حال بڑی تیزی سے تبدیل ہو رہی تھی۔ 1857ء کی جنگِ آزادی کی ناکامی کے بعد ہندوستان میں برطانوی اقتدار مزید مستحکم ہو گیا تھا اور مسلمانوں کی سابقہ سیاسی قوت کو شدید نقصان پہنچا تھا۔ دینی و علمی اداروں اور اسلامی تہذیبی شناخت کے تحفظ کا مسئلہ بھی پہلے سے زیادہ اہم ہو گیا تھا۔ ایسے حالات میں نئی نسل کی دینی تعلیم و تربیت صرف ایک تعلیمی ضرورت نہ رہی تھی، بلکہ ملت کے مستقبل سے جڑا ہوا ایک اہم فریضہ بن چکی تھی۔

محمود حسن ؒ کی ابتدائی زندگی بھی اسی تاریخی پس منظر میں پروان چڑھی۔ ان کے گھر کا علمی ماحول، ابتدائی اساتذہ کی تربیت اور اس دور کے بدلتے ہوئے حالات نے ان کی شخصیت کی بنیاد رکھنے میں اہم کردار ادا کیا۔ آگے چل کر یہی علمی ذوق انہیں ان اکابرِ علم کی صحبت تک لے گیا جنہوں نے ان کی شخصیت کو برصغیر کے ایک عظیم عالم اور دینی رہنما کی حیثیت سے تشکیل دی۔

جب حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی ؒ اور ان کے رفقائے کار نے دیوبند میں دینی تعلیم کے ایک مستقل مرکز کے قیام کی بنیاد رکھی تو محمود حسن ؒ کی علمی زندگی نے ایک فیصلہ کن مرحلہ طے کیا۔ 31 مئی 1866ء مطابق 15 محرم 1283ھ کو مسجدِ چھتہ دیوبند میں اس مدرسے کی تدریس کا آغاز ہوا اور محمود حسن ؒ کو اس نو قائم شدہ ادارے کا ''اولین طالب علم'' ہونے کا تاریخی شرف حاصل ہوا۔ انہوں نے حضرت مولانا ملا محمود دیوبندی ؒ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا اور یوں ان کی علمی زندگی دارالعلوم دیوبند کے ابتدائی علمی سفر کے ساتھ وابستہ ہوگئی۔

یہ نسبت آگے چل کر محض طالب علم اور درس گاہ کے تعلق تک محدود نہ رہی۔ جس ادارے میں محمود حسن ؒ نے علم کا سفر شروع کیا، وہی آگے چل کر ان کی علمی و تدریسی زندگی کا مرکزی میدان بنا اور ان کی شخصیت کے ارتقا میں بنیادی کردار ادا کرتا رہا۔

دارالعلوم دیوبند اور علمی تشکیل:

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن ؒ کی علمی زندگی کا سب سے اہم اور فیصلہ کن مرحلہ دارالعلوم دیوبند سے وابستگی ہے۔ یہی وہ علمی ماحول تھا جہاں ان کی شخصیت نے بنیادی تشکیل پائی، علومِ دینیہ میں پختگی حاصل کی اور آگے چل کر وہ برصغیر کے ممتاز علمائے کرام، محدثین اور دینی رہنماؤں میں شمار ہوئے۔

دارالعلوم دیوبند کے ابتدائی دور ہی میں حضرت محمود حسن ؒ نے اس علمی مرکز سے وابستگی اختیار کی اور یہاں کے جلیل القدر اساتذہ سے استفادہ کیا۔ ان کے اساتذہ میں مولانا ملا محمود دیوبندی ؒ، مولانا محمد یعقوب نانوتوی ؒ، سید احمد دہلوی ؒ اور دیگر اکابر شامل تھے۔ ان بزرگ اساتذہ کی علمی نگرانی میں انہیں علومِ دینیہ کے مختلف شعبوں میں تعلیم حاصل کرنے کا موقع ملا اور ان کی علمی استعداد نے کم عمری ہی میں نمایاں صورت اختیار کرلی۔

ان کی علمی تشکیل میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی ؒ کا مقام سب سے نمایاں تھا۔ مولانا نانوتوی ؒ دارالعلوم دیوبند کے بانی اور اپنے عہد کے جلیل القدر عالم تھے۔ حضرت محمود حسن ؒ نے ان سے صرف کتابی علوم ہی حاصل نہیں کیے، بلکہ ان کی صحبت سے دینی بصیرت، علمی سنجیدگی، مقصدیت اور حق کے لیے استقامت کا مزاج بھی پایا۔ مولانا نانوتوی ؒ جب میرٹھ یا دہلی تشریف لے جاتے تو حضرت محمود حسن ؒ بھی بعض اوقات ان کے ہمراہ ہوتے۔ یوں استاد کی صحبت کا یہ تعلق درس گاہ سے آگے بڑھ کر سفر و حضر تک پھیل گیا اور ایک گہرے علمی و تربیتی رشتے کی صورت اختیار کرگیا۔

مولانا محمد قاسم نانوتوی ؒ سے حضرت محمود حسن ؒ نے حدیث اور علومِ دینیہ کی اہم کتابوں کا درس لیا۔ ان کی علمی استعداد اور محنت کے نتیجے میں انہوں نے کم عمری ہی میں اعلیٰ دینی علوم کی تکمیل کی اور اپنے عہد کے ممتاز فضلا میں شمار ہونے لگے۔

تعلیم کی تکمیل کے بعد 1290ھ مطابق 1873ء میں دارالعلوم دیوبند کے پہلے باقاعدہ جلسۂ دستاربندی میں حضرت محمود حسن ؒ کی دستاربندی ہوئی۔ اس کے بعد وہ اسی ادارے سے تدریسی طور پر وابستہ ہوگئے اور جس درس گاہ سے انہوں نے علمی فیض حاصل کیا تھا، اسی میں استاد کی حیثیت سے علم کی وہ امانت آگے منتقل کرنے لگے جو انہیں اپنے اکابر سے ملی تھی۔

تدریس کے مختلف مراحل طے کرتے ہوئے 1308ھ/1890ء میں وہ دارالعلوم دیوبند کے منصبِ اہتمام و انتظام تک پہنچے اور ادارے کی علمی و انتظامی ذمہ داریاں سنبھالیں۔ ان کا حلقۂ درس برصغیر کے طلبہ اور علما کے لیے خاص مرکزِ کشش بن گیا اور ان سے استفادہ کرنے والوں میں بعد کے دور کے متعدد ممتاز اہلِ علم شامل ہوئے۔

یوں دارالعلوم دیوبند حضرت شیخ الہند ؒ کی زندگی میں محض ایک درس گاہ نہیں بلکہ ان کی علمی شخصیت کی تشکیل، اساتذہ سے فیض یابی، حدیث و علومِ دینیہ میں پختگی اور آئندہ نسلوں کی علمی تربیت کا بنیادی مرکز تھا۔ یہاں انہوں نے اکابرِ علم سے فیض حاصل کیا اور پھر اسی ادارے میں استاد بن کر علم

کی وہ شمع آگے منتقل کی جو ان کے اساتذہ نے روشن کی تھی۔

علم و تدریس کا عظیم مقام:

دار العلوم دیوبند میں علمی مراحل طے کرنے کے بعد حضرت مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زندگی کا ایک بڑا حصہ علمِ دین کی تدریس، اشاعت اور علمی تربیت کے لیے وقف کر دیا۔ ان کی علمی شخصیت کا امتیاز یہ تھا کہ وہ محض کتابیں پڑھانے والے مدرس نہ تھے، بلکہ ان کے لیے علم، عمل، تقویٰ اور دینی مقصدیت ایک دوسرے سے جدا نہ تھے۔

شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کو علمِ حدیث میں خصوصی مقام حاصل تھا۔ ان کے درس میں حدیث کی تعلیم محض روایات کے بیان تک محدود نہ رہتی، بلکہ احادیث کے معانی، فقہی مسائل، اصولِ استنباط اور ان سے متعلق دینی رہنمائی کو بھی واضح کیا جاتا۔ وہ طلبہ کو صرف متن سمجھانے کے بجائے اس کے پس منظر، مفہوم اور عملی تقاضوں کی طرف بھی متوجہ کرتے تھے۔

ان کی علمی شخصیت کی ایک نمایاں خصوصیت وسعتِ مطالعہ اور گہرائیِ نظر تھی۔ حدیث و فقہ کے ساتھ تفسیر، عربی زبان و ادب اور دیگر علومِ دینیہ سے بھی انہیں مناسبت حاصل تھی۔ علمی مسائل پر گفتگو کرتے ہوئے ان کے ہاں تحقیق، استدلال اور اعتدال نمایاں تھا۔ ان کی مجلسِ درس میں علمی وقار کے ساتھ سادگی اور مقصدیت بھی پائی جاتی تھی۔

ان کی تدریسی زندگی کا دائرہ صرف درس گاہ تک محدود نہ رہا۔ ان سے استفادہ کرنے والے طلبہ آگے چل کر برصغیر کے مختلف علاقوں میں دینی تعلیم، تدریس، تصنیف و تالیف اور دعوت و اصلاح کے کاموں سے وابستہ ہوئے۔ اس طرح شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا علمی فیض ایک وسیع علمی سلسلے کی صورت اختیار کرتا گیا۔

تدریس کے ساتھ تصنیف و تالیف بھی ان کی علمی زندگی کا اہم حصہ تھا۔ ان کی تصانیف میں ''ادلۂ کاملہ''، ''ایضاح الادلہ''، ''احسن القِریٰ فی توضیح اوثق العُریٰ'' اور ''الجہدُ المُقِلّ فی تنزیہ المعزّ والمذِلّ'' نمایاں ہیں۔ ان تصانیف سے ان کے مطالعے کی وسعت، تحقیق و استدلال کی قوت اور مختلف علمی مباحث پر گہری نظر کا اندازہ ہوتا ہے۔

شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی علمی خدمات میں قرآنِ مجید کے اردو ترجمے سے متعلق ان کی کاوش بھی اہم حیثیت رکھتی ہے۔ انہوں نے قرآن مجید کا بین السطور اردو ترجمہ کیا، جس کا آغاز 1909ء میں کیا گیا تھا اور جولائی 1918ء میں مالٹا ہی میں اسے مکمل کیا۔ اس کے بعد انہوں نے اس پر تفسیری حواشی لکھنے کا کام بھی شروع کیا، جو مکمل نہ ہو سکا اور ان کے انتقال کے بعد ان کے شاگرد حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے آگے بڑھایا۔ بعد میں یہ علمی کام ''تفسیرِ عثمانی'' کی صورت میں معروف ہوا۔

شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے علمی مقام کا حقیقی اندازہ ان کی تصانیف اور تدریسی منصب کے ساتھ ساتھ ان کے وسیع علمی اثرات سے بھی ہوتا ہے۔ ان کے حلقۂ درس سے وابستہ متعدد اہلِ علم نے آگے چل کر مختلف علاقوں میں دینی مدارس، علمی حلقوں اور دعوتی و اصلاحی سرگرمیوں میں کردار ادا کیا۔

ان کی علمی زندگی کا بنیادی وصف یہ تھا کہ وہ علم کو محض ذہنی ذخیرے کے طور پر نہیں دیکھتے تھے، بلکہ اسے اصلاحِ انسان، خدمتِ دین اور رہنمائیِ معاشرہ کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ ان کے نزدیک علم کی حقیقی قدر اس وقت ظاہر ہوتی ہے جب وہ انسان کے فکر و کردار میں تبدیلی پیدا کرے اور اسے اپنے دینی فرائض اور مقصدِ زندگی کا شعور عطا کرے۔

روحانی تربیت اور اصلاحی نسبت:

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت میں علم و فضل کے ساتھ تقویٰ، اخلاص، زہد، استقامت اور دینی حمیت کی جو نمایاں صفات نظر آتی ہیں، ان کی تشکیل میں ان کی روحانی تربیت اور اکابرِ امت کی صحبت کا بھی اہم کردار تھا۔

شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ سے خاص روحانی تعلق حاصل تھا۔ حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے عہد کے جلیل القدر بزرگ اور صاحبِ نسبت شیخ تھے۔ 1294ھ / 1877ء کے حج کے سفر میں حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کی اور ان سے روحانی فیض و تربیت حاصل کی۔ اس تعلق نے ان کی علمی شخصیت میں روحانی پختگی پیدا کرنے اور علم کو اخلاص و عمل کے ساتھ مربوط

رکھنے میں اہم کردار ادا کیا۔
اسی طرح حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا گہرا تعلق تھا۔ مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ علم و تقویٰ، اتباعِ سنت اور اصلاحِ باطن کے حوالے سے اپنے زمانے کی ممتاز شخصیت تھے۔ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی صحبت سے بھی گہرا استفادہ کیا اور ان سے علمی و تربیتی فیض پایا۔
ان اکابر کی صحبت سے شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے مزاج میں توکل، صبر، اخلاص اور استقامت جیسی صفات مزید پختہ ہوئیں۔ ان کی روحانی تربیت نے انہیں یہ شعور دیا کہ دین داری محض عبادات اور ذاتی اصلاح تک محدود نہیں، بلکہ اس کے تقاضوں میں دین کی سربلندی، ملت کی خیر خواہی اور حق کے لیے ثابت قدمی بھی شامل ہے۔
بعد کی زندگی میں جب انہیں سخت حالات اور آزمائشوں سے گزرنا پڑا تو ان کے اندر کی یہی روحانی قوت ان کے لیے سہارا بنی۔ ان کی زندگی میں عبادت، علمی خدمت، اصلاح و تربیت اور ملی ذمہ داری ایک دوسرے سے مربوط نظر آتے ہیں۔
شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت دراصل علم اور روحانیت کے حسین امتزاج کی ایک نمایاں مثال تھی۔ علم نے ان کی فکر کو وسعت اور گہرائی عطا کی، جب کہ روحانی تربیت نے اس علم کو اخلاص، عمل اور استقامت کی قوت بخشی۔

تلامذہ: ایک عظیم علمی وراثت

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ کی علمی عظمت کا ایک نمایاں ثبوت ان کے تلامذہ کی وہ جماعت ہے جس نے برصغیر کی دینی، علمی اور ملی زندگی پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ ان کے حلقۂ درس سے استفادہ کرنے والوں میں متعدد ایسے اہلِ علم پیدا ہوئے جنھوں نے تدریس، تصنیف، حدیث، فقہ، اصلاح، دعوت اور ملی خدمت کے مختلف میدانوں میں نمایاں کردار ادا کیا۔
ان کے ممتاز تلامذہ میں حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا نام خصوصی اہمیت رکھتا ہے۔ وہ علمِ حدیث کے عظیم ماہر اور اپنے عہد کے جلیل القدر عالم تھے۔ حدیث، فقہ اور استدلال میں ان کی غیر معمولی علمی گہرائی نے انہیں برصغیر کے ممتاز اہلِ علم میں شامل کیا۔
حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ بھی شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے ممتاز تلامذہ میں شمار ہوتے ہیں۔ بعد کے دور میں انہوں نے اصلاح و تربیت، تصنیف و تالیف اور دینی رہنمائی کے میدان میں غیر معمولی خدمات انجام دیں۔
حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے علمی و عملی تربیت پائی۔ علمِ حدیث اور تدریس کے میدان میں ان کی خدمات نمایاں رہیں، جب کہ بعد میں انہوں نے ملی اور قومی مسائل میں بھی فعال کردار ادا کیا۔
حضرت مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ نے دینی فکر کے ساتھ آزادی کے مقصد کو اپنی عملی زندگی کا اہم حصہ بنایا۔ ان کی آزادی کی سرگرمیوں اور تحریکِ ریشمی رومال میں ان کے کردار کا تفصیلی ذکر متعلقہ باب میں کیا جائے گا۔
حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ بھی شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے ممتاز تلامذہ میں شامل تھے۔ انہوں نے اپنے استاد سے علمی فیض حاصل کیا اور ان کے بعض اہم علمی کاموں کو آگے بڑھانے میں کردار ادا کیا، خصوصاً قرآنِ کریم کے تفسیری کام میں ان کی خدمات بعد میں ''تفسیرِ عثمانی'' کی صورت میں معروف ہوئیں۔ ان کے دیگر نمایاں تلامذہ میں مولانا کفایت اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا سید مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ بھی شامل تھے، جنھوں نے اپنے اپنے میدانوں میں تدریس، تصنیف، اصلاح اور دینی و ملی خدمات انجام دیں۔
شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ اپنے علمی میدان، مزاج اور عملی ترجیحات کے اعتبار سے یکساں نہ تھے۔ کسی نے حدیث و فقہ میں کمال پیدا کیا، کسی نے تدریس و تصنیف کو اپنی زندگی کا مرکز بنایا، کسی نے اصلاح و تربیت کا میدان اختیار کیا اور کسی نے دینی و ملی جدوجہد میں اپنا کردار ادا کیا۔ تاہم ان سب کے درمیان ایک بنیادی قدر مشترک تھی: وہ ایسے استاد کے فیض یافتہ تھے جن کے نزدیک علم دین کی خدمت، کردار کی تعمیر اور معاشرے کی رہنمائی کا ذریعہ تھا۔
اسی لیے شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی علمی وراثت کو صرف ان کی تصانیف اور تدریسی خدمات تک محدود کر کے نہیں دیکھا جا سکتا۔ ان کے تلامذہ ان کی زندہ علمی میراث تھے، جنھوں نے اپنے استاد سے حاصل ہونے والے علمی ذوق اور دینی شعور کو آگے منتقل کیا۔

ثمرۃ التربیت: تعلیم سے تنظیم کی طرف

شیخ الہندؒ کی علمی و تربیتی سرگرمیوں کا دائرہ محض درس و تدریس تک محدود نہ رہا۔ دارالعلوم دیوبند میں ایک عرصے تک تدریس اور طلبہ کی تربیت سے وابستہ رہنے کے بعد ان کی توجہ اس طرف بھی ہوئی کہ ادارے سے فارغ ہونے والے اہلِ علم کے درمیان باہمی تعلق برقرار رہے اور وہ دینی و ملی خدمت کے لیے ایک دوسرے سے مربوط رہیں، چنانچہ 1295ھ/1878ء میں ''ثمرۃ التربیت'' کے نام سے ایک انجمن قائم کی گئی۔ اس کا ظاہر مقصد دارالعلوم کے فضلا اور متعلقین کے ساتھ رابطہ قائم رکھنا تھا، جب کہ اس کے پس منظر میں فارغین کو باہم منظم رکھنے اور انہیں اجتماعی دینی و ملی ذمہ داریوں کے لیے تیار کرنے کا پہلو بھی نمایاں تھا۔

مولانا سید محمد میاںؒ اس انجمن کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اس کے ذریعے دارالعلوم کے فضلا اور ہمدردانِ دارالعلوم سے رابطہ قائم رکھنا اس کا ظاہر مقصد قرار دیا گیا تھا، تاہم اس دور کے سیاسی حالات کے پیشِ نظر اس کے تمام مقاصد کا کھلے لفظوں میں اظہار ممکن نہ تھا۔ وہ مزید لکھتے ہیں کہ دارالعلوم کے ذہین اور باصلاحیت طلبہ میں آزادی اور خودداری کا جذبہ پایا جاتا تھا اور وہ اپنے فہم کے مطابق اس جذبے کو عملی صورت دینے کے لیے باہمی رابطے اور تنظیم کی تدبیریں بھی سوچتے تھے۔[1]

شیخ الہندؒ خود حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے براہِ راست تربیت یافتہ تھے۔ اس لیے ان کی شخصیت میں تعلیم و تربیت کے ساتھ ملت کے اجتماعی حالات کی فکر بھی پیدا ہوئی تھی۔ حضرت نانوتویؒ کی وفات کے بعد ان کے اس ممتاز شاگرد پر علمی و تربیتی ذمہ داریوں کے ساتھ ان اجتماعی جذبات کو آگے بڑھانے کی ذمہ داری بھی زیادہ نمایاں طور پر عائد ہوئی۔

اسی پس منظر میں "ثمرۃ التربیت "کو شیخ الہندؒ کی بعد کی ملی و سیاسی جدوجہد کی ایک ابتدائی تنظیمی کڑی کے طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔ اس کے ذریعے دارالعلوم سے وابستہ افراد کے درمیان تعلق، باہمی تعاون اور اجتماعی احساس کو تقویت ملی۔ بعد کے زمانے میں یہی تنظیمی مزاج وسیع تر صورتوں میں سامنے آیا اور شیخ الہندؒ کی جدوجہد نے دارالعلوم کے حلقے سے نکل کر برصغیر کے مختلف علاقوں اور طبقات تک اپنا دائرہ وسیع کیا۔ یوں شیخ الہندؒ کی زندگی میں ''تعلیم، تربیت اور تنظیم'' ایک دوسرے سے الگ مراحل نہیں تھے، بلکہ ایک مسلسل فکری و عملی سفر کے مختلف مرحلے تھے۔ ''ثمرۃ التربیت'' اسی سفر میں وہ ابتدائی مرحلہ تھی جہاں علمی و تربیتی تعلق نے اجتماعی ربط اور منظم خدمت کی صورت اختیار کرنا شروع کی۔[2]

جمعیۃ الانصار: تنظیمی جدوجہد کا اگلا مرحلہ

''ثمرۃ التربیت'' کے ذریعے دارالعلوم دیوبند کے فضلا اور وابستگان کے درمیان باہمی ربط اور اجتماعی احساس کو تقویت دینے کے بعد شیخ الہندؒ کی تنظیمی جدوجہد نے بتدریج ایک وسیع تر صورت اختیار کی۔ بیسویں صدی کی پہلی دہائی کے اختتام پر ''جمعیۃ الانصار'' کے نام سے ایسی تنظیم سامنے آئی جس نے دارالعلوم سے وابستہ افراد کو زیادہ منظم انداز میں باہم مربوط کرنے کا موقع فراہم کیا۔

مولانا سید محمد میاںؒ کے بیان کے مطابق 1909ء کے آس پاس جمعیۃ الانصار کے قیام کا خاکہ مرتب ہوا اور اس کے ذریعے دارالعلوم کے فضلا اور متعلقین کو ایک وسیع تر نظم میں جمع کرنے کی کوشش کی گئی۔ اس تنظیم کے پس منظر میں صرف سابق طلبہ کے باہمی تعلق کا پہلو نہ تھا، بلکہ بدلتے ہوئے سیاسی حالات میں مسلمانوں کے اجتماعی شعور اور باہمی تعاون کو مضبوط کرنے کی خواہش بھی کارفرما تھی۔[3]

شیخ الہندؒ نے مولانا عبید اللہ سندھیؒ کو اس کام میں نمایاں ذمہ داری سونپی۔ مولانا سندھیؒ کے اپنے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ

---

[1] (علمائے حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے، حصہ اول، ص:130)

2 (علمائے حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے، حصہ اول، ص:130؛ مزید تفصیل کے لیے اسیرانِ مالٹا، ص:25)

3 (علمائے حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے، حصہ اول، ص:130)

1327ھ/1909ء میں انہیں دیوبند طلب کیا گیا اور شیخ الہندؒ نے انہیں وہیں رہ کر کام کرنے کی ہدایت فرمائی، جب کہ سندھ کے ساتھ سابقہ تعلق بھی برقرار رکھنے کا حکم دیا۔ اس طرح شیخ الہندؒ نے ایک طرف دارالعلوم کے علمی و تربیتی ماحول سے وابستہ افراد کو منظم کیا اور دوسری طرف ملک کے مختلف علاقوں سے اپنے روابط کو وسعت دی۔

جمعیۃ الانصار کے تعارف اور تنظیمی دائرے کو وسیع کرنے کے لیے اس کے اجتماعات بھی منعقد ہوئے۔ 1911ء میں دیوبند میں منعقدہ ایک بڑے اجتماع کے بعد اپریل 1911ء میں مراد آباد میں اس کا باقاعدہ اجلاس ہوا، جس میں مختلف علاقوں سے علما اور اہلِ علم شریک ہوئے۔ اس اجتماع سے جمعیۃ الانصار کو ایک وسیع تر اجتماعی پلیٹ فارم کی حیثیت حاصل ہوئی اور اس کے ذریعے دارالعلوم سے وابستہ حلقوں کے درمیان باہمی رابطہ مزید مضبوط ہوا۔[4]

شیخ الہندؒ کی اس تنظیمی جدوجہد کی ایک اہم خصوصیت یہ تھی کہ وہ مختلف علاقوں اور طبقوں کے اہلِ اثر افراد کو باہم مربوط کرنے پر توجہ دیتے تھے۔ مولانا عبیداللہ سندھیؒ اسی سلسلے میں سندھ، دہلی اور دیگر علاقوں کے اہلِ علم و اثر سے روابط پیدا کرنے میں اہم واسطہ بنے۔ یوں شیخ الہندؒ کی جدوجہد کا دائرہ دارالعلوم دیوبند کی حدود سے نکل کر بتدریج وسیع تر ملکی سطح تک پھیلنے لگا۔

جمعیۃ الانصار کا یہ مرحلہ شیخ الہندؒ کی آئندہ جدوجہد کے لیے ایک اہم تنظیمی مقدمہ ثابت ہوا۔ بعد میں یہی رابطے زیادہ وسیع سیاسی و انقلابی سرگرمیوں سے جڑ گئے اور مولانا عبیداللہ سندھیؒ، نظارۃ المعارف القرآنیہ، افغانستان اور بیرونی مسلم دنیا سے روابط کے ذریعے شیخ الہندؒ کی تحریک نے ایک نئی صورت اختیار کی۔ ان سرگرمیوں کی تفصیلی داستان آگے ''تحریکِ ریشمی رومال'' کے باب میں آئے گی۔

یوں ''ثمرۃ التربیت'' سے شروع ہونے والا تنظیمی سفر ''جمعیۃ الانصار'' کے مرحلے میں زیادہ واضح اور وسیع صورت اختیار کرتا نظر آتا ہے، اور یہی سلسلہ آگے چل کر شیخ الہندؒ کی منظم تحریکِ آزادی کی بنیادوں میں شامل ہوا۔

نظارۃ المعارف القرآنیہ: جدوجہد کا دہلی مرحلہ

جمعیۃ الانصار کے ذریعے شیخ الہندؒ کی تنظیمی جدوجہد کا دائرہ وسیع ہو رہا تھا۔ اسی دوران انہیں یہ احساس بھی ہوا کہ بدلتے ہوئے زمانے میں صرف ایک دینی مدرسے کے روایتی ماحول تک محدود رہنے کے بجائے جدید تعلیم یافتہ مسلمانوں اور نوجوان طبقے سے براہِ راست رابطہ قائم کرنا بھی ضروری ہے۔ چنانچہ 1913ء میں ان کی توجہ دہلی کی طرف ہوئی اور مولانا عبیداللہ سندھیؒ کو وہاں منتقل ہونے کی ہدایت کی گئی۔

شیخ الہندؒ کی ہدایت پر مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے دہلی میں "نظارۃ المعارف القرآنیہ" کے نام سے ایک علمی و تربیتی مرکز قائم کیا۔ اس ادارے کے ذریعے قرآنِ کریم کی تعلیم و تفہیم کے ساتھ جدید تعلیم یافتہ طبقے سے تعلق پیدا کرنے، دینی شعور بیدار کرنے اور نوجوانوں کی فکری تربیت کا کام کیا گیا۔

مولانا سید محمد میاںؒ نے ''نظارۃ المعارف القرآنیہ'' کی نوعیت بیان کرتے ہوئے اسے ایک ایسی جگہ قرار دیا جہاں تعلیم و تربیت کے ساتھ اہم مشاورت کا کام بھی ہوتا تھا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ شیخ الہندؒ کی جدوجہد میں دینی تعلیم اور اجتماعی فکر ایک دوسرے سے الگ نہیں تھے۔[5]

مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ الہندؒ نے انہیں دہلی بھیجتے ہوئے جدید تعلیم یافتہ نوجوانوں سے رابطے اور ان کی دینی و فکری تربیت پر خصوصی توجہ دی۔ دہلی میں انہی روابط کے ذریعے ان کا تعارف بعض ممتاز اہلِ علم اور قومی سطح پر سرگرم شخصیات سے ہوا، جس سے ان کی معلومات اور سیاسی روابط کا دائرہ مزید وسیع ہوا۔

یوں ''نظارۃ المعارف القرآنیہ'' شیخ الہندؒ کی جدوجہد میں ایک نئے مرحلے کی علامت تھا۔ دارالعلوم دیوبند ان کی علمی و تربیتی زندگی کا بنیادی مرکز تھا، ''جمعیۃ الانصار'' نے تنظیمی ربط پیدا کیا، جب کہ دہلی میں قائم ہونے والے اس مرکز نے جدید تعلیم یافتہ مسلمانوں اور نوجوانوں تک رسائی کے

---

4 (علمائے حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے، حصہ اول، ص: 139-140)

5 (اسیرانِ مالٹا، ص: 44)

امکانات پیدا کیے۔ اس طرح شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی جدوجہد بتدریج ایک وسیع تر اجتماعی دائرے میں داخل ہوتی گئی۔

بعد کے مرحلے میں یہی روابط مزید وسیع ہوئے اور ملکی حدود سے باہر موجود بعض سیاسی مراکز اور شخصیات تک جا پہنچے۔ تاہم اس جدوجہد کی تفصیلی داستان اور اس کے عملی انقلابی منصوبے کا بیان آگے ''تحریکِ ریشمی رومال'' کے باب میں کیا جائے گا۔

ملت کا درد اور آزادی کا عزم:

شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت میں علم و عمل کی جامعیت کے ساتھ ملت کے اجتماعی حالات کا گہرا شعور بھی نمایاں تھا۔ انہوں نے اپنے عہد کے سیاسی حالات کو محض ایک حکومتی یا انتظامی مسئلہ نہیں سمجھا، بلکہ برصغیر کے مسلمانوں کی دینی، ملی اور اجتماعی زندگی پر اس کے اثرات کو گہری نگاہ سے دیکھا۔ یہی احساس آگے چل کر ان کے اندر آزادیِ وطن کے لیے عملی جدوجہد کا مضبوط جذبہ پیدا کرنے کا سبب بنا۔

حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی علمی وسعت اور سیاسی بصیرت کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ آپ کو ہندوستان کی تاریخ، سلاطینِ ماضیہ، سیاسی و انتظامی حالات، اقتصادی و معاشی مسائل، تجارت و صنعت، تعلیم اور جنگی امور تک سے غیر معمولی واقفیت حاصل تھی۔ اخبار بینی اور واقعاتِ عالم سے باخبر رہنے کا بھی آپ کو خاص شوق تھا۔ مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق انگریزی حکومت اور ہندوستان کے حالات نے بالآخر انہیں اس امر پر آمادہ کیا کہ وہ انگریزی استبداد اور مظالم کے مقابلے کے لیے اپنی جان تک خطرے میں ڈال دیں۔[6]

یہ سیاسی شعور اچانک پیدا نہیں ہوا تھا۔ اس کے پیچھے ان کی علمی و تربیتی زندگی کا ایک طویل سفر تھا۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ جیسے اکابر کی صحبت نے انہیں نہ صرف علومِ دینیہ سے بہرہ مند کیا، بلکہ برصغیر کے سیاسی حالات، 1857ء کے واقعات اور آزادی کے لیے کی جانے والی جدوجہد کی تاریخ سے بھی آگاہ کیا۔ اس پس منظر نے ان کے اندر حریت، خودداری اور اجتماعی ذمہ داری کا احساس مزید گہرا کیا۔ چنانچہ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دینی خدمت اور ملت کی اجتماعی زندگی ایک دوسرے سے جدا نہ تھیں۔ وہ ایک طرف قرآن و حدیث اور علومِ دینیہ کی تدریس و اشاعت کو ضروری سمجھتے تھے، تو دوسری طرف مسلمانوں میں خود اعتمادی، ملی شعور اور اجتماعی احساس پیدا کرنے کی بھی فکر رکھتے تھے۔ ان کی نظر میں ایک زندہ قوم کے لیے صرف علمی بقا کافی نہیں، بلکہ اسے اپنے اجتماعی تشخص، عزت اور آزادی کے تحفظ کی فکر بھی ہونی چاہیے۔

اسی لیے ان کی جدوجہد میں ایک طرف تعلیم و تربیت، اصلاح اور دینی بیداری کا پہلو نظر آتا ہے اور دوسری طرف آزادیِ وطن کی آرزو اور اس کے لیے جدوجہد کا عزم۔ ''ثمرۃ التربیت''، ''جمعیۃ الانصار'' اور ''نظارۃ المعارف القرآنیہ'' جیسے مراحل اسی مسلسل جدوجہد کے مختلف پہلو تھے۔ ان مراحل میں شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے افراد کی تربیت، باہمی روابط کی مضبوطی اور اجتماعی شعور کی بیداری پر توجہ دی۔ بعد میں یہی کوشش ایک زیادہ منظم سیاسی جدوجہد میں تبدیل ہوئی۔

شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی آزادی کی فکر محض جذباتی ردِّ عمل نہ تھی، اس کے ساتھ ایک وسیع تاریخی شعور اور عملی منصوبہ بندی بھی موجود تھی۔ وہ حالات کا جائزہ لیتے، اہلِ علم و اثر سے رابطے قائم کرتے، باصلاحیت افراد کو ذمہ داریاں سونپتے اور مختلف علاقوں کو باہم مربوط کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ یہی منظم طرزِ فکر آگے چل کر ان کی زندگی کے سب سے بڑے انقلابی مرحلے، یعنی تحریکِ ریشمی رومال، میں پوری طرح نمایاں ہوا۔

اس طرح شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت میں ''علم، تربیت، ملی شعور اور آزادی کا عزم'' ایک دوسرے سے مربوط نظر آتا ہے۔ ان کی جدوجہد کا سفر درس گاہ سے شروع ہو کر تنظیم، تربیت اور سیاسی بیداری کے مراحل سے گزرا اور بالآخر برصغیر کو غیر ملکی اقتدار سے نجات دلانے کی منظم جدوجہد تک پہنچا۔

جاری ہے۔۔۔

6 (نقشِ حیات، ج:1، ص:150-151)

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ

تاریخِ اسلام کے عظیم سپہ سالار اور ''سیف اللہ''

مفتی امان اللہ خان قائم خانی

مسئول شعبۂ تصنیف و تالیف و استاذ قرآن اکیڈمی یاسین آباد

اسلامی تاریخ کے افق پر جو چند ستارے اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ چمکتے نظر آتے ہیں، ان میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی شخصیت ایک منفرد مقام رکھتی ہے۔ آپ محض ایک فاتح جرنیل نہیں تھے، بلکہ عسکریات کی دنیا کے وہ صاحبِ طرز عبقری تھے جنہوں نے فنِ حرب کے فرسودہ اصولوں کو اپنی خلاقانہ حکمتِ عملی سے یکسر بدل کر رکھ دیا۔ آپ کی شجاعت، فہم و فراست اور عسکری بصیرت کا اعتراف نہ صرف اپنوں نے کیا، بلکہ عہدِ حاضر کے جنگی ماہرین بھی آپ کے پینتروں کو رشک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا تعارف اور خاندانی پس منظر:

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ مکہ کے انتہائی معزز اور بااثر قبیلے 'بنو مخزوم' کے چشم و چراغ تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ کی کنیت 'ابو سلیمان' تھی اور آپ کی پیدائش مکہ کے ایک ایسے گھرانے میں ہوئی جو سیاست اور عسکریت دونوں میں ممتاز تھا۔ بنو مخزوم کا روایتی اعزاز یہ تھا کہ وہ جنگی ساز و سامان کی فراہمی اور قریش کے گھڑ سوار دستوں کی قیادت کے ذمہ دار تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ کی جسمانی ساخت اور آواز اس قدر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ملتی جلتی تھی کہ دور سے دیکھنے والے اکثر دھوکا کھا جاتے۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ: خاندانی شجرہ و اہم معلومات

آپ رضی اللہ عنہ کا نام خالد بن ولید بن مغیرہ المخزومی اور ولید بن مغیرہ آپ کا والد تھا، جو اسلام کی دولت سے سرفراز نہ ہو سکا، تاہم وہ قریش کا ممتاز مدبر اور بنو مخزوم کا سردار تھا۔ اور آپ رضی اللہ عنہ کی والدہ کا نام لبابہ صغریٰ تھا، جو ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی ہمشیرہ تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہ قبیلہ بنو مخزوم سے تعلق رکھتے تھے جو قریش کا وہ قبیلہ تھا جو عسکری قیادت کا علمبردار ہوا کرتا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ کی پرورش مکہ کے صحرائی ماحول میں بدوی قبیلے کے درمیان ہوئی، جہاں آپ نے خالص عربی زبان سیکھی اور شہسواری، تیغ زنی اور تیر اندازی میں وہ کمال حاصل کیا جو اس دور کے کم ہی لوگوں کو نصیب ہوا۔

اسلام سے قبل شجاعت اور جنگی کردار:

اسلام قبول کرنے سے قبل بھی حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی عسکری مہارت قریش کے لیے ایک بڑا سہارا تھی۔ آپ رضی اللہ عنہ کے والد ولید بن مغیرہ نے آپ کو ریگستانوں میں برق رفتاری سے نقل و حرکت کرنے، دشمن کی بستیوں پر اچانک حملہ آور ہونے اور مغلوب دشمن کا پیچھا کرنے کے تمام گر سکھائے تھے۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی جنگی عبقریت اس وقت کھل کر سامنے آئی جب انہوں نے غزوۂ احد کے موقع پر مسلمانوں کے عسکری نظم و ضبط میں آنے والی ایک وقتی لغزش کا فائدہ اٹھایا۔ انہوں نے جبلِ رماہ (تیر اندازوں کے پہاڑ) کو غیر محفوظ پا کر اپنے گھڑ سوار دستے کے ساتھ وادی قناۃ کے

راستے پہاڑ کا چکر لگایا اور عقب سے ایسا وار کیا جس نے ایک یقینی فتح کو وقتی طور پر آزمائش میں بدل دیا۔ یہ ان کی وہ عسکری بصیرت تھی جس نے تاریخِ عالم کے بڑے بڑے سپہ سالاروں کو حیران کر دیا۔

قبولِ اسلام : حق کی جانب سفر

صلح حدیبیہ کے بعد خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے دل میں حق کی تڑپ بیدار ہوئی۔ صلح کے بعد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے بھائی ولید بن ولید سے ان کی خیریت دریافت کی، تو یہ پیغام خالد کے دل میں گھر کر گیا۔ 8ھ میں آپ رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ کا رخ کیا، جہاں راستے میں آپ کی ملاقات حضرت عمرو بن العاص اور عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہما سے ہوئی، جو اسی ارادے سے مدینہ جا رہے تھے۔ بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضری کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ انور خوشی سے تمتما رہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خالد کو دیکھ کر فرمایا: ''میں جانتا تھا کہ تمہاری عقل تمہیں خیر ہی کی طرف لے جائے گی''۔

اسلام کے بعد عسکری شاہکار:

اسلام قبول کرنے کے بعد حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی تلوار ہمیشہ اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے بے نیام رہی۔ آپ کی قیادت میں لڑے گئے معرکے عسکری تاریخ کا انمول اثاثہ ہیں۔ ایک جنگ کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ''سیف اللہ'' (اللہ کی تلوار) کا معزز لقب بھی عطا فرمایا۔

معرکۂ موتہ اور ''سیف اللہ'' کی حکمتِ عملی:

629ء میں مسلمانوں اور رومیوں کے درمیان معرکۂ موتہ پیش آیا، جہاں 3,000 مجاہدین کا مقابلہ رومیوں کے 2,00,000 (دو لاکھ) کے ٹڈی دل لشکر سے تھا۔ جب تینوں مقررہ سپہ سالار باری باری شہید ہو گئے، تو قیادت حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں آئی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے بھاگنے کے بجائے ایک ایسی نفسیاتی چال چلی کہ لشکر کی ترتیب بدل دی، دائیں بازو کو بائیں، بائیں کو دائیں اور پیچھے والے دستوں کو آگے کر دیا۔ رومیوں نے جب صبح نئے چہرے دیکھے تو وہ سمجھے کہ مسلمانوں کو نئی کمک پہنچ گئی ہے۔ اس نفسیاتی رعب کا فائدہ اٹھاتے ہوئے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے لشکر کو انتہائی کم نقصان کے ساتھ بحفاظت نکال لیا، جسے عسکری ماہرین ایک کامیاب ''بریک آؤٹ آپریشن'' قرار دیتے ہیں۔

ریگستانی مارچ (قراقر سے سویٰ تک):

خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب آپ رضی اللہ عنہ کو عراق سے فوری طور پر شام پہنچنے کا حکم دیا، تو آپ رضی اللہ عنہ نے ایک ایسا راستہ اختیار کیا جو ناممکن سمجھا جاتا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے پانچ راتیں اور چھ دن ایک بے آب و گیاہ صحرا میں سفر کیا۔ اس کٹھن سفر کے لیے آپ رضی اللہ عنہ نے اونٹوں کو زیادہ مقدار میں پانی پلایا، ان کے منہ باندھ دیے تاکہ وہ جگالی نہ کر سکیں اور پانی ضائع نہ ہو۔ دورانِ سفر ان اونٹوں کو ذبح کر کے ان کے جسم میں ذخیرہ شدہ پانی سے لشکر کی پیاس بجھائی گئی۔ یہ ''واٹر ریزروائر'' کی وہ منفرد تکنیک تھی جس نے دشمن کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا کہ ایک پورا لشکر صحرا کو اس تیزی سے کیسے پار کر گیا۔

معرکۂ ولجہ : ''ڈبل انویلپمنٹ'' کا کمال

مئی 633ء میں ساسانی سلطنت کے خلاف معرکۂ ولجہ میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے وہ تاریخی پینترا استعمال کیا جسے عسکری زبان میں ''ڈبل انویلپمنٹ'' (Double Envelopment) کہا جاتا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اپنی فوج کو ہلال کی شکل میں ترتیب دیا اور دشمن کو درمیان میں لا کر دونوں اطراف اور عقب سے گھیر لیا۔ اس جنگ میں آپ نے دو ہزار گھڑ سواروں کو پہاڑیوں کے پیچھے چھپا دیا تھا، جنہوں نے عین موقع پر حملہ کر کے دشمن کی کمر توڑ دی۔ یہ وہی تکنیک تھی جو صدیوں پہلے ہنی بال نے رومیوں کے خلاف استعمال کی تھی۔

فتنۂ ارتداد کا استیصال اور سیاسی بصیرت :

رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد جب فتنہ ارتداد نے سر اٹھایا، تو حضرت خالد بن ولید ؓ نے ان تحریکوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا۔ یمامہ کی جنگ میں مسیلمہ کے چالیس ہزار جنگجوؤں کے خلاف آپ نے انتہائی سخت مقابلہ کیا۔ جب بدوی دستے اکھڑنے لگے تو آپ ؓ نے انصار اور مہاجرین کا الگ دستہ بنا کر حملہ کیا اور دشمن کو ان کے ''حدیقۃ الموت'' (موت کے باغ) میں گھس کر واصلِ جہنم کیا۔ اور مالک بن نویرہ جس نے زکوٰۃ کی ادائیگی سے انکار کر دیا تھا۔ جب اسے حضرت خالد بن ولید ؓ کے سامنے لایا گیا تو اس نے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں ''تمہارے صاحب'' کے الفاظ استعمال کیے، جسے خالد نے اس کی بے وفائی اور ارتداد پر محمول کیا اور اس کی سزا اسے دی گئی۔ عرب و عجم میں حضرت خالد بن ولید ؓ کی دھاک اس قدر بیٹھ گئی تھی کہ جھوٹی مدعیہ نبوت سجاح مقابلے میں خالد بن ولید ؓ کو دیکھ کر میدان چھوڑ کر بھاگ گئی اور طلیحہ بن خویلد کو شکستِ فاش ہوئی۔

اخلاص کی انتہا :

حضرت خالد بن ولید ؓ کا دورِ عروج حضرت ابو بکر صدیق ؓ کا عہد تھا، جو ''میکرو پالیسی'' (Macro-management) پر یقین رکھتے تھے اور حضرت خالد بن ولید ؓ کو میدانِ جنگ میں مکمل خود مختاری دیتے تھے۔ تاہم حضرت عمر فاروق ؓ کا طرزِ حکمرانی ''مائیکرو مینجمنٹ'' پر مبنی تھا، جہاں وہ ہر تفصیل پر نظر رکھنا چاہتے تھے۔ حضرت عمر ؓ نے حضرت خالد بن ولید ؓ کو سپہ سالاری سے معزول کر دیا، تاکہ لوگوں کو یہ احساس ہو کہ فتح خالد کی وجہ سے نہیں، بلکہ اللہ کی نصرت سے ہوتی ہے۔ حضرت خالد بن ولید ؓ نے اس فیصلے کو کمالِ اخلاص کے ساتھ قبول کیا اور فرمایا: ''میں عمر کے لیے نہیں، عمر کے رب کے لیے لڑتا ہوں''۔

رقت آمیز وفات اور آخری کلمات :

حضرت خالد بن ولید ؓ نے اپنی زندگی کے آخری ایام شام کے شہر حمص میں گزارے۔ 21ھ یا 22ھ (642ء) میں بسترِ مرگ پر آپ ؓ کی آنکھیں اشکبار تھیں کہ جس نے سو سے زائد جنگیں لڑیں، اسے بستر پر موت آ رہی ہے۔ آپ ؓ کے آخری الفاظ تاریخ کے سینے میں محفوظ ہیں:

''میں نے اتنے معرکے لڑے کہ میرے جسم پر کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں تلوار، نیزے یا تیر کا زخم نہ ہو، لیکن دیکھو! آج میں بستر پر اس طرح مر رہا ہوں جیسے اونٹ مرتا ہے۔ بزدلوں کی آنکھوں کو کبھی نیند نہ آئے''۔

حضرت خالد بن ولید ؓ کی مجموعی جنگی میراث :

آپ ؓ نے سو سے زائد معرکوں میں شرکت کی اور کبھی شکست نہ کھائی۔ دشمن کے جرنیلوں (مثلاً ہرمز) کو دو بدو لڑائی میں للکارا اور ان کا مورال گرایا اور اسی طرح معرکۂ سلاسل (Battle of Chains)، معرکۂ دریائے فرات، دمشق کا محاصرہ اور معرکۂ یرموک میں رومی طاقت کا مکمل خاتمہ کیا۔ آپ ؓ ہمیشہ سپہ سالار سے عام سپاہی بن کر لڑے اور اسلامی نظم و ضبط کی اعلیٰ مثال قائم کی۔

حضرت خالد بن ولید ؓ کی زندگی اس حقیقت کی گواہی ہے کہ جب ایمان کی قوت اور بہترین تدبیر یکجا ہو جائیں، تو دنیا کی کوئی بھی طاقت اسے مغلوب نہیں کر سکتی۔ آپ ؓ کی خدمات رہتی دنیا تک اسلامی عسکری تاریخ کا درخشندہ باب رہیں گی۔

ذہنی سکون، اضطراب اور امید

احمد حمدی

استاذ قرآن انسٹیٹیوٹ گلستان جوہر

موجودہ دور کے نوجوان کی زندگی بظاہر سہولتوں سے بھرپور دکھائی دیتی ہے، مگر اس کے اندر ایک خاموش بے چینی، ایک مسلسل دباؤ، اور ایک ایسی تھکن بھی پائی جاتی ہے جسے ہمیشہ لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ بسا اوقات نوجوان کے پاس تعلیم کے مواقع ہوتے ہیں، رابطے کے ذرائع ہوتے ہیں، خواب ہوتے ہیں اور اپنی زندگی کو بہتر بنانے کی شدید خواہش بھی ہوتی ہے، مگر اس سب کے باوجود اس کے اندر اضطراب، بے اطمینانی، موازنہ، خوف اور غیر یقینی کی کیفیت بڑھتی جاتی ہے۔ یہ کیفیت صرف ان نوجوانوں تک محدود نہیں جو کسی واضح ناکامی، معاشی بحران یا خاندانی مسئلے سے گزر رہے ہوں، بلکہ بہت سے ایسے نوجوان بھی اس کا شکار ہوتے ہیں جن کی زندگی باہر سے بالکل معمول کے مطابق دکھائی دیتی ہے۔ یہی اس مسئلے کی پیچیدگی ہے کہ ذہنی بے سکونی ہمیشہ شور کے ساتھ ظاہر نہیں ہوتی، بعض اوقات وہ خاموشی کے ساتھ انسان کے اندر جگہ بنا لیتی ہے۔

ذہنی سکون اور اللہ سے تعلق :

ذہنی سکون کا مسئلہ محض نفسیاتی موضوع نہیں، بلکہ روحانی، اخلاقی، فکری اور عملی زندگی سے بھی گہرا تعلق رکھتا ہے۔ انسان صرف جسم اور عقل کا مجموعہ نہیں، اس کے اندر ایک دل بھی ہے، ایک باطن بھی، ایک روح بھی اور ایک ایسا اندرونی رشتہ بھی جس کے بغیر زندگی بظاہر چل تو سکتی ہے مگر سنبھل نہیں سکتی۔ اسی لیے اگر نوجوان کی بیرونی زندگی میں نظم موجود ہو مگر اس کے باطن میں اللہ سے تعلق کمزور ہو، تو اس کے اندر ایک خالی پن باقی رہتا ہے۔ قرآن مجید اس خالی پن کے علاج کی طرف واضح اشارہ کرتا ہے کہ دلوں کا اطمینان اللہ کے ذکر سے حاصل ہوتا ہے۔ یہ آیت محض تسلی نہیں دیتی، بلکہ انسان کے باطن کا ایک بنیادی قانون بیان کرتی ہے۔ یعنی دل کا اصل سکون اس رشتے سے پیدا ہوتا ہے جو اپنے رب کے ساتھ قائم ہو۔

دین مشکلات سے فرار نہیں، ان سے نمٹنے کا راستہ :

یہ بات سمجھنا بہت ضروری ہے کہ ذہنی سکون اور دین کا تعلق سطحی نہیں، بہت گہرا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ایمان والے کبھی غم، خوف یا پریشانی محسوس نہیں کرتے۔ انبیا، صالحین اور اہلِ ایمان سب آزمائشوں سے گزرے ہیں۔ اصل فرق یہ ہے کہ مومن کا غم اسے توڑنے کے بجائے اللہ کی طرف موڑ سکتا ہے، اس کی پریشانی اسے اندھی گلیوں میں نہیں بلکہ دعا، صبر اور رجوع کی طرف لے جا سکتی ہے اور اس کا خوف اسے بے معنی نہیں، بلکہ بامقصد بنا سکتا ہے۔ اس لیے یہ کہنا درست نہیں کہ دین قبول کر لینے سے انسان کی زندگی سے ہر تکلیف ختم ہو جاتی ہے۔ درست بات یہ ہے کہ دین انسان کو تکلیفوں کے درمیان جینے، سنبھلنے اور بکھرنے سے بچنے کا طریقہ دیتا ہے۔

نوجوانوں کے اضطراب کے بنیادی اسباب :

آج کے نوجوان کے اضطراب کے کئی اسباب ہیں۔ ایک سبب مستقبل کا خوف ہے۔ کیریئر کا مسئلہ، تعلیم کا دباؤ، معاشی حالات، خاندان کی توقعات اور مسلسل غیر یقینی کیفیت نوجوان کے ذہن پر گہرا بوجھ ڈالتی ہے۔ دوسرا سبب تقابل ہے۔ سوشل میڈیا اور سماجی ماحول نے زندگی کو ایک مسلسل مقابلہ بنا دیا ہے، جہاں نوجوان دوسروں کی کامیابی، خوشی، شکل، معیارِ زندگی اور مقبولیت کو دیکھ دیکھ کر اپنے آپ کو کمتر محسوس کرنے لگتا

ہے۔ تیسرا سبب بے نظمی ہے۔ نیند، غذا، مطالعہ، عبادت، اسکرین ٹائم اور روزمرہ معمولات کی بے ترتیبی ذہن کو مزید غیر مستحکم کر دیتی ہے۔ چوتھا سبب تنہائی ہے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ رابطوں کے اس دور میں بھی بہت سے نوجوان اندر سے تنہا ہیں، کیونکہ ان کے پاس سچی گفتگو، ہمدرد سماعت اور اعتماد پر مبنی تعلقات کم ہوتے جا رہے ہیں۔ پانچواں سبب روحانی کمزوری ہے، جو انسان کو ظاہری مصروفیات کے باوجود اندر سے خالی اور بے آسرا بنا دیتی ہے۔

اپنی استطاعت سے زیادہ بوجھ اٹھانے کا مسئلہ:

اضطراب کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ نوجوان اپنے ذہن میں ایسے بوجھ اٹھا لیتا ہے جو ابھی اس کی استطاعت، وقت یا اختیار میں نہیں ہوتے۔ وہ ایک ہی وقت میں اپنی پوری زندگی، مستقبل، رشتے، معاش، مقام اور کامیابی کے سب سوالات کا جواب چاہتا ہے۔ چونکہ جواب نہیں ملتا، اس لیے دل پر دباؤ بڑھنے لگتا ہے۔ یہاں قرآن کا یہ اصول نہایت امید افزا ہے کہ اللہ کسی جان پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔ یہ آیت نوجوان کو یہ سمجھاتی ہے کہ زندگی کے تمام سوالات ایک ہی دن حل نہیں ہوتے، ہر مرحلے کے اپنے فیصلے ہوتے ہیں اور انسان کو اسی حد تک بوجھ اٹھانا چاہیے جس حد تک وہ اس وقت اٹھا سکتا ہے۔ بہت سے اضطرابات اس لیے بڑھتے ہیں کہ انسان موجودہ قدم کے بجائے پورے سفر کا وزن اپنے کندھوں پر لے لیتا ہے۔

مشکلات میں امید اور اللہ پر بھروسا:

نوجوانی میں ذہنی سکون کے لیے امید کا عنصر بہت ضروری ہے۔ قرآن نے بار بار یہ تعلیم دی ہے کہ تنگی کے ساتھ آسانی ہے۔ یہ تعلیم صرف مشکل وقت میں جذباتی تسلی کے لیے نہیں، بلکہ ایک ایمانی زاویۂ نظر کے طور پر دی گئی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مشکلات ہمیشہ آخری حقیقت نہیں ہوتیں۔ آزمائش انسان کی پوری کہانی نہیں ہوتی۔ ایک رات کے بعد صبح آتی ہے، ایک رکاوٹ کے بعد راستہ نکلتا ہے، ایک بند دروازے کے بعد دوسرا دروازہ کھلتا ہے اور ایک تھکن کے بعد نئی طاقت بھی دی جاتی ہے۔ یہ امید اس وقت حقیقی بنتی ہے جب انسان محض خواب دیکھنے کے بجائے اللہ پر اعتماد، صبر اور درست عمل کے ساتھ آگے بڑھے۔ امید کا مطلب حقیقت سے فرار نہیں، بلکہ حقیقت کے اندر اللہ کی مدد پر یقین رکھنا ہے۔

اسلام کی عملی اور باہمت ذہنیت:

حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مضبوط مومن کمزور مومن سے بہتر اور اللہ کو زیادہ محبوب ہے اور ساتھ ہی یہ تعلیم بھی دی کہ نفع بخش چیزوں کے لیے کوشش کرو، اللہ سے مدد مانگو اور بے بس نہ بنو۔ ذہنی سکون کے باب میں یہ حدیث غیر معمولی اہمیت رکھتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام مومن کو محض تسلی دینے والا مذہب نہیں، بلکہ اسے عملی طاقت، اندرونی ہمت اور ذمہ دارانہ کوشش کی تعلیم دیتا ہے۔ اضطراب کے مقابلے میں ایک راستہ یہ ہے کہ انسان بے عمل ہو جائے یا اپنی کمزوری کو اپنی شناخت بنا لے۔ مگر نبوی تعلیم اس کے برعکس بتاتی ہے کہ انسان اپنے لیے مفید چیزوں کی طرف بڑھے، مدد مانگے اور بے عملی یا بے بسی میں پناہ نہ لے۔ اس سے ایک عملی، امید افزا اور باوقار ذہنیت پیدا ہوتی ہے۔

خیالات اور حقیقت میں فرق:

ذہنی سکون کا ایک اور اہم پہلو یہ ہے کہ نوجوان اپنے خیالات کے ساتھ صحیح تعلق قائم کرے۔ بہت سے نوجوان ہر خیال کو سچ مان لیتے ہیں، ہر ڈر کو یقینی حقیقت سمجھ لیتے ہیں اور ہر منفی امکان کو اپنے مستقبل کا فیصلہ تصور کرنے لگتے ہیں۔ حالانکہ بہت سے خیالات محض خیالات ہوتے ہیں، حقیقت نہیں۔ بہت سے خدشات کبھی واقع نہیں ہوتے اور بہت سے اندیشے انسان کے ذہن کی پیداوار ہوتے ہیں، نہ کہ بیرونی دنیا کی حتمی سچائی۔ اس لیے

ضروری ہے کہ نوجوان اپنے ذہن میں اٹھنے والے ہر خیال کے پیچھے نہ چلے۔ اسے رک کر دیکھنا چاہیے کہ کیا یہ بات واقعی درست ہے، کیا یہ ابھی کا مسئلہ ہے یا دور کا خدشہ، کیا میں اس پر کچھ کر سکتا ہوں اور کیا میں اس معاملے کو اللہ کے سپرد کر کے موجودہ ذمہ داری پر توجہ دے سکتا ہوں۔ یہی فکری نظم ذہنی سکون کی راہ ہموار کرتا ہے۔

ذکر، دعا اور نماز سے قلبی سکون:

یہاں ذکر، دعا اور نماز کی اہمیت دوبارہ سامنے آتی ہے۔ ذکر دل کو اپنے اصل مرکز سے جوڑتا ہے، دعا دل کا بوجھ کم کرتی ہے اور نماز انسان کو اپنے رب کے سامنے کھڑا کر کے باطن کی ٹوٹی ہوئی ترتیب کو جوڑتی ہے۔ بہت سے نوجوان اپنی بے چینی کو صرف دنیاوی طریقوں سے سنبھالنے کی کوشش کرتے ہیں، مگر چونکہ دل کی اصل پیاس روحانی ہوتی ہے، اس لیے مکمل سکون حاصل نہیں ہوتا۔ جب انسان دل کے اضطراب کے ساتھ اپنے رب کے سامنے حاضر ہوتا ہے، اپنے خوف اور کمزوری کو بیان کرتا ہے اور اپنی بے بسی کو مان لیتا ہے، تو اس کے اندر ایک عجیب نرمی پیدا ہوتی ہے۔ یہ نرمی مسئلے کو فوراً ختم نہیں بھی کرتی، تب بھی انسان کو مسئلے کے اندر جینے کی طاقت دیتی ہے۔

روحانی سکون کے ساتھ عملی اسباب:

اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی سمجھنا چاہیے کہ ذہنی سکون صرف روحانی الفاظ سے نہیں آتا، بلکہ عملی اسباب بھی اختیار کرنے ہوتے ہیں۔ اگر نوجوان رات بھر جاگتا رہے، مسلسل اسکرین کے سامنے رہے، جسمانی حرکت نہ کرے، کھانے پینے اور نیند کا کوئی نظم نہ ہو اور پھر یہ توقع رکھے کہ اس کا ذہن متوازن رہے گا، تو یہ توقع حقیقت پسندانہ نہیں۔ جسم اور ذہن ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں۔ بے ترتیب نیند، مسلسل موبائل استعمال اور جسمانی سستی ذہنی اضطراب کو بڑھا سکتی ہے۔ اسی طرح اگر نوجوان اپنے مسائل کو ہر وقت اکیلے ہی اٹھائے رکھے، کسی قابلِ اعتماد شخص سے بات نہ کرے اور اپنے دل کی کیفیت کو مسلسل دبائے رکھے، تو اس کا بوجھ بڑھ سکتا ہے۔ اس لیے ذہنی سکون کے لیے عبادت، دعا اور ذکر کے ساتھ ساتھ نیند، ورزش، خوراک، گفتگو اور وقت کی ترتیب بھی اہم ہیں۔

ضرورت کے وقت مدد طلب کرنا:

یہ بھی بہت ضروری ہے کہ نوجوان یہ سمجھے کہ ہر ذہنی دباؤ کو تنہا اٹھانا لازم نہیں۔ بعض اوقات انسان کو اپنے دل کی کیفیت، خوف، الجھن یا مسلسل اضطراب کے بارے میں کسی قابلِ اعتماد شخص سے بات کرنی چاہیے۔ والدین، بڑے بہن بھائی، کوئی سمجھ دار استاد، دینی رہنما یا ایسا دوست جو خیر خواہ اور راز دار ہو، اس باب میں مددگار ثابت ہو سکتا ہے۔

اسلام خود یہ سکھاتا ہے کہ جب انسان کسی معاملے میں نہ جانتا ہو تو اہلِ علم اور اہلِ فہم سے رجوع کرے اور اجتماعی معاملات میں مشورہ اختیار کرے۔ اسی اصول کی روشنی میں اگر نوجوان محسوس کرے کہ اس کی ذہنی حالت بگڑ رہی ہے، وہ بے چینی، اداسی، خوف، نیند کی خرابی یا مسلسل ذہنی دباؤ کا شکار ہے اور یہ کیفیت اس کی تعلیم، عبادت، گھریلو تعلقات یا روزمرہ زندگی کو متاثر کر رہی ہے، تو کسی ماہرِ نفسیات، معالج یا تربیت یافتہ کونسلر سے رجوع کرنا بھی بالکل درست اور معقول قدم ہے۔ اس میں کوئی دینی قباحت نہیں، بلکہ یہ بھی سبب اختیار کرنے کی ایک صورت ہے۔ جس طرح جسمانی بیماری میں ڈاکٹر سے رجوع کیا جاتا ہے، اسی طرح ذہنی یا نفسیاتی تکلیف میں مناسب ماہر سے مشورہ لیا جا سکتا ہے۔ ایمان، دعا، ذکر، تلاوت اور توکل اپنی جگہ نہایت اہم ہیں، مگر ان کے ساتھ جائز اور مفید علاجی اسباب اختیار کرنا بھی حکمت، ذمہ داری اور سنت کے مطابق ہے، کیونکہ بیماری کے لیے علاج اختیار کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ اس لیے نوجوان کو نہ تو ہر پریشانی کو معمولی سمجھ کر دبا دینا چاہیے اور نہ ہر مشکل میں فوراً مایوس ہونا چاہیے، بلکہ ضرورت کے وقت مدد طلب کرنا بھی پختگی، شعور اور امانت داری کی علامت ہے۔

کچھ نوجوان یہ سمجھتے ہیں کہ مدد طلب کرنا کمزوری کی علامت ہے۔ یہ سوچ درست نہیں۔ اگر کسی انسان کی ذہنی حالت اس حد تک بگڑ رہی ہو کہ روزمرہ زندگی، عبادت، تعلیم یا تعلقات متاثر ہو رہے ہوں، تو خاندان، استاد، خیر خواہ دوست یا کسی ماہر سے رجوع کرنا بالکل معقول اور بعض اوقات ضروری قدم ہے۔ اسلام سبب اختیار کرنے کی نفی نہیں کرتا۔ جس طرح جسمانی بیماری میں علاج اختیار کیا جاتا ہے، اسی طرح ذہنی اور نفسیاتی بوجھ کی صورت میں مناسب مدد بھی اختیار کی جا سکتی ہے۔ اصل تقاضا یہ ہے کہ یہ مدد ایک ایسے فریم میں لی جائے جہاں دین، حیا اور شخصیت کے احترام کا لحاظ بھی موجود ہو۔

ذہنی سکون میں صحبت کا بھی بڑا دخل ہے۔ بعض لوگ انسان کو ہلکا کر دیتے ہیں اور بعض مزید بوجھل۔ اگر نوجوان ایسے ماحول میں رہے جہاں ہر وقت شکایت، طنز، خوف، منفی سوچ یا بے حیائی کا غلبہ ہو، تو اس کے دل پر اس کا برا اثر پڑتا ہے۔ اس کے برعکس اگر صحبت میں سنجیدگی، خیر خواہی، دعا، دین اور متوازن گفتگو ہو، تو وہی ماحول دل کے لیے سہارا بن جاتا ہے۔ بہت سے اضطرابات محض اس لیے بڑھتے ہیں کہ انسان نے اپنے آس پاس ایسے لوگوں کی کثرت کر لی ہوتی ہے جو اسے اللہ سے دور، دنیا سے مرعوب اور اپنے بارے میں بدگمان بناتے رہتے ہیں۔

ہمیشہ مضبوط دکھائی دینے کا دباؤ:

ذہنی سکون کا ایک بڑا راز یہ بھی ہے کہ انسان اپنے آپ کو ہر وقت کامیاب، خوش اور مضبوط ثابت کرنے کے بوجھ سے آزاد کرے۔ موجودہ زمانے میں نوجوان پر ایک غیر مرئی دباؤ ہوتا ہے کہ وہ ہر وقت فعال، مطمئن، پُراعتماد اور کامیاب دکھائی دے۔ اس سے وہ اپنی اصل کمزوریوں کو قبول نہیں کر پاتا۔ حالانکہ انسان کمزور بھی ہوتا ہے، تھکتا بھی ہے، رو بھی سکتا ہے، گھبرا بھی سکتا ہے اور بعض اوقات ٹوٹ بھی سکتا ہے۔ ایمان کا حسن یہ نہیں کہ انسان کبھی کمزور محسوس نہ کرے، بلکہ یہ ہے کہ کمزوری کے وقت بھی وہ اپنے رب سے منقطع نہ ہو۔ جب نوجوان اس سچائی کو مان لیتا ہے تو اس کے اندر مصنوعی زندگی گزارنے کا دباؤ کم ہو جاتا ہے اور حقیقی شفا کی طرف قدم بڑھتے ہیں۔

ذہنی سکون کے لیے عملی عادات:

عملی اعتبار سے نوجوان اگر اپنی ذہنی حالت کو بہتر بنانا چاہے تو چند عادتیں بہت مددگار ہو سکتی ہیں۔ روزانہ کچھ وقت ذکر اور دعا کے لیے مخصوص کرے۔ نیند کا معقول نظام بنائے۔ سوشل میڈیا کے استعمال پر حد مقرر کرے، خصوصاً رات کے وقت۔ اپنے دل کی حالت کو تحریر میں لانے کی عادت ڈالے تاکہ ذہن کے بکھرے ہوئے خیالات ترتیب پا سکیں۔ جسمانی حرکت، چہل قدمی یا ہلکی ورزش کو معمول بنائے۔ کسی ایک قابلِ اعتماد شخص کے ساتھ سچی گفتگو کا راستہ کھلا رکھے۔ دن بھر کے کاموں کو اس طرح ترتیب دے کہ سب کچھ ایک ہی وقت میں سر پر نہ چڑھ آئے۔ اور سب سے بڑھ کر، اپنے دل کو یہ یاد دلاتا رہے کہ ہر اندھیرا دائمی نہیں اور ہر آزمائش کے اندر کوئی نہ کوئی دروازہ کھلنے والا ہوتا ہے۔

ذہنی سکون: معنی اور مقصدِ زندگی کی تلاش

نوجوانی میں ذہنی سکون کی تلاش دراصل معنی کی تلاش بھی ہوتی ہے۔ جس زندگی میں صرف مقابلہ ہو، صرف کارکردگی ہو، صرف ظاہری کامیابی ہو، وہاں دل تھک جاتا ہے۔ لیکن جب انسان یہ جان لیتا ہے کہ وہ اپنے رب کا بندہ ہے، اس کی زندگی کا ایک مقصد ہے، اس کی آزمائشیں بے معنی نہیں، اس کے آنسو بے حساب نہیں اور اس کی دعائیں ضائع نہیں جاتیں، تو پھر زندگی کا بوجھ بھی ایک نئے معنی کے ساتھ اٹھایا جاتا ہے۔ یہی معنی دل کو سہارا دیتے ہیں۔ یہی ایمان اضطراب کے اندر امید پیدا کرتا ہے اور یہی امید انسان کو ٹوٹنے نہیں دیتی۔

اردو ادب میں بعض سنجیدہ اغلاط

حافظ انجینئر نوید احمد رحمۃ اللہ علیہ

ہماری قومی زبان اردو میں دانستہ یا نادانستہ طور پر بعض ایسی سنجیدہ اغلاط در آئی ہیں جن کا تدارک انتہائی ضروری ہے۔ کیونکہ یہ الفاظ بظاہر تو اسلامی اصطلاحات پر مشتمل ہیں، مگر عملی طور پر ان سے جو معنی مراد لیا جاتا ہے وہ نہ صرف غیر اسلامی ہے، بلکہ یا تو اس سے اسلام کی ضد مراد ہوتی ہے یا پھر وہ ایسے معنی میں استعمال کیے جاتے ہیں جن سے اسلامی اصطلاحات کی توہین ظاہر ہوتی ہے۔

ذیل میں ہم چند ایسی اغلاط کو ذکر کرتے ہیں:

1:۔ صَلَوٰات: قرآن حکیم میں لفظ ''صلوات'' عنایات کے معنی میں آیا ہے۔ سورۃ البقرہ آیت: 157 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ'' یہ وہ لوگ ہیں جن پر عنایات ہیں ان کے رب کی طرف سے اور رحمت''۔ اردو تحریروں یا تقاریر میں صلوات کا لفظ گالی کے معنیٰ میں استعمال کیا جاتا ہے مثلاً کہا جاتا ہے: ''اس نے مجھے بہت 'صلاواتیں' سنائیں''۔

2:۔ لن ترانیاں: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب کوہ طور پر اللہ تعالیٰ سے اپنا جلوہ دکھانے کی فرمائش کی تو اللہ نے جواب میں ارشاد فرمایا: لَن تَرَانِي ''تم مجھے ہر گز نہیں دیکھ سکتے''۔ لیکن یہی لفظ اردو تحریروں میں فضول گوئی اور حیلہ سازیوں کے لیے استعمال ہوتا ہے یعنی ''میں نے تمہاری بہت لن ترانیاں سن لیں اب کام کی بات کی طرف آؤ''۔

3:۔ قل ھو اللہ: سورۃ الاخلاص توحید باری تعالیٰ کا خزانہ اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق اپنی عظمت کے اعتبار سے ایک تہائی قرآن کے برابر ہے۔ لیکن تحریر و تقریر میں یہ جملہ استعمال کر دیا جاتا ہے کہ ''میرا بھوک سے برا حال ہے اور اب تو میری انتڑیوں نے بھی قل ھو اللہ پڑھنا شروع کر دی ہے''۔ گویا انسان مجبوری کی حالت ہی میں سورۃ الاخلاص پڑھتا ہے۔ معاذ اللہ

4:۔ باوا آدم: حضرت آدم علیہ السلام کو پہلے نبی اور پوری نوع انسانی کے جد امجد ہونے کا اعزاز حاصل ہے لیکن طنزاً کہا جاتا ہے کہ ''ارے چھوڑو، ان کا تو باوا آدم ہی نرالا ہے''۔

5:۔ حواری: حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کے جانثار ساتھیوں کے لیے قرآن حکیم اور احادیث مبارکہ میں صحابی اور حواری کی اصطلاحات استعمال ہوتی ہیں۔ حواری کی یہ مقدس اصطلاح آج کسی بھی لیڈر یا ملک کے غلط مقاصد میں ساتھ دینے والے ساتھیوں یا اتحادیوں کے لیے استعمال کر دی جاتی ہے مثلاً ''فلاں صاحب اور اس کے حواریوں نے قوم لوٹ کھسوٹ کی'' یا ''امریکہ اور اس کے حواری عراق میں ظلم کر رہے ہیں''۔

6:۔ لکھے موسیٰ پڑھے عیسیٰ: جب کوئی تحریر غیر واضح ہو تو کہہ دیا جاتا ہے کہ لکھے موسیٰ پڑھے عیسیٰ۔ یہ دو جلیل القدر پیغمبروں کی توہین ہے۔

سورۃ الحجرات آیت 3 میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ادب واحترام کو اور سورۃ الحج آیت 32 میں دینی شعائر کی تعظیم کو قلوب میں تقویٰ ہونے کی علامت قرار دیا گیا ہے۔ اس طرح تقویٰ کا تقاضا ہے کہ ہم دینی اصطلاحات کا بھی احترام کریں اور اس سلسلہ میں خصوصی احتیاط سے کام لیں۔

7 :۔ نماز بخشوانے گئے روزے گلے پڑ گئے : ایسے موقع پر کہا جاتا ہے جب انسان یا کوئی شخص رعایت کا طلبگار ہو مگر بجائے رعایت کے مزید مشکل میں پڑ جائے ۔ مگر کہاوت کے الفاظ سے واضح طور پر نماز اور روزے کو ایک بوجھ کا متبادل محسوس کیا جا سکتا ہے ۔ حالانکہ نماز اور روزہ اللہ کی ایسی عبادات ہیں جو انسانیت پر سراسر رحمت ہیں ۔

8 :۔ شہید وطن /شہید جمہوریت : جو شخص وطن کی خاطر لڑتا ہوا مارا جائے اسے شہید وطن کہا جاتا ہے اور جو شخص جمہوریت کی بحالی کی جدوجہد میں مارا جائے اسے شہید جمہوریت کہہ دیا جاتا ہے ۔ حالانکہ اسلام میں شہید ایک مخصوص اصطلاح کا نام ہے ۔ جس کی رو سے صرف اسی شخص کو شہید کہا جا سکتا ہے جو اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے لڑتا ہوا قتل کر دیا جائے ۔ اسے شہید اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس کی روح کو لینے کے لیے مقدس اور بابرکت فرشتے نازل ہوتے ہیں یا ان کی روحیں یہ گواہی دیں گی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ بہترین سلوک کیا ۔ اس تعریف سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وطن کے لیے یا جمہوریت یا کسی بھی شے کے لیے قتل کیا جانے والا شخص شہید کہلانے کا ہرگز مستحق نہیں ۔

رودادِ پروگرام 5 ستمبر ''باہمی ملاقات''

بنت عظیم

طالبہ رجوع الی القرآن کورس سال دوم یاسین آباد

قرآن اکیڈمی یاسین آباد میں رجوع الی القرآن کورس سال اول اور سال دوم کی طالبات کے لیے بروز ہفتہ بمطابق 5 ستمبر کو ایک نہایت خوبصورت اور بامقصد نشست کا اہتمام کیا گیا۔ پروگرام کا آغاز تلاوت قرآن پاک سے ہوا جس کے بعد تلاوت کا ترجمہ پیش کیا گیا۔ پھر ایک خوبصورت حمد اور نعت رسول اکرم ﷺ پیش کی گئی جس سے محفل کا آغاز ہی نہایت پرسکون انداز میں ہوا۔

اس کے بعد ہمیں تنظیم کی سینئر رفیقات اور ازواج امیر محترم کا تعارف کروایا گیا اور ہمیں ان سے ملاقات اور گفتگو کا موقع ملا۔ انہوں نے دینی تعلیم حاصل کرنے کے بعد دین کے کام سے وابستہ ہونے کے اپنے تجربات ہم سے شیئر کیے۔ ہمیں بھی موقع دیا گیا کہ ہم اپنی دینی تعلیم، معاشرے میں درپیش مختلف مسائل اور مستقبل میں اپنے علم کو عملی زندگی میں استعمال کرنے کے حوالے سے کھل کر سوالات کریں۔ ان کی گفتگو اور رہنمائی ہمارے لیے نہایت مفید اور حوصلہ افزا رہی۔ خصوصا ازواج امیر محترم نے تربیت کے حوالے سے نہایت خوبصورت اور موثر انداز گفتگو فرمائی۔ انہوں نے دینی علم کو عملی زندگی میں اپنانے، اپنی شخصیت و کردار کی تربیت اور معاشرے میں مثبت کردار ادا کرنے کے حوالے سے قیمتی رہنمائی فراہم کی جو ہمارے لیے یقیناً بہت مفید اور قابل عمل تھی۔ زوجہ ثانیہ نے خشیت الٰہی کے حوالے سے اہم بات اجاگر کی کہ دنیا میں جتنی بھی سندیں ہوں کسی کام کی نہیں اگر دل میں خشیت الٰہی نہ ہو۔

بعد ازاں چائے کا وقفہ ہوا، اس دوران سال اول اور دوم کی طالبات کو بھی ایک دوسرے کے ساتھ تعارف اور گفتگو کا موقع ملا، جس سے آپس میں شناسائی اور تعلق مزید مضبوط ہوا۔ بطور خاص پردے کی پابندی کرنے والی اور دینی تعلیم حاصل کرنے والی خواتین کے لیے اس طرح کے پروگرام ایک محفوظ، پرسکون اور باوقار ماحول فراہم کرتے ہیں، جہاں ہم پردے کی حدود کو برقرار رکھتے ہوئے کھل کر شرکت، گفتگو اور اپنے صلاحیتوں کا اظہار کر سکتی ہیں۔ آخر میں دعا اور سورۃ العصر کے ساتھ اس خوبصورت نشست کا اختتام ہوا اس وعدے اور یقین کے ساتھ کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے دین کا کام جاری رہے گا، اور ہم یوں ہی ملتے رہیں گے۔

اس سے بعد تمام طالبات کے لیے ظہرانے کا بھی بہترین انتظام کیا گیا تھا۔ اکیڈمی کی جانب سے حسنِ انتظام اور نظم و ضبط ہمیشہ کی طرح قابل تحسین تھا۔ مجموعی طور پر یہ نشست ہمارے لیے ایک نہایت خوشگوار، یادگار اور بامقصد تجربہ رہی۔ اس میں ہمیں دینی رہنمائی، تربیتی گفتگو، باہمی تعلق اور اپنی صلاحیتوں کے اظہار کے ساتھ ایک پرسکون اور خوشگوار ماحول بھی میسر آیا، جس کے لیے ہم منتظمین کے تہہ دل سے شکر گزار ہیں۔

اللہ تعالیٰ بانیٔ تنظیم ڈاکٹر اسرار احمدؒ کی کامل مغفرت فرمائے، اس کے درجات بلند فرمائے اور ان کی دینی و علمی خدمات کو صدقۂ جاریہ بنائے۔ امیر تنظیم شجاع الدین شیخ صاحب، مدیر ادارہ سید سلیم الدین صاحب، ناظمہ صاحبہ اور تمام اساتذہ کرام کو جزائے خیر عطا فرمائے، انہیں صحت، عافیت اور استقامت عطا فرمائے اور ان کی دینی و تربیتی کاوشوں کو شرفِ قبول بخشے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی قرآن کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے اور اس کی تعلیمات کو آگے بڑھانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

ماہانہ رپورٹ برائے آئینۂ انجمن

قرآن اکیڈمی ڈیفنس

مؤرخہ 6 اپریل 2026ء سے رجوع الی القرآن کورس کے 33ویں بیچ کا آغاز ہوا۔ جس میں 21 حضرات اور 22 خواتین جب کہ آن لائن شرکت کرنے والوں کی تعداد 45 ہے۔ رواں ماہ خصوصی محاضرات کے ذیل میں ''سفرِ آخرت کے مراحل'' (استاذ سید سلیم الدین صاحب)، ''تزکیۂ نفس'' (استاذ ڈاکٹر محمد الیاس صاحب) اور ''میرا گھر میری ذمہ داری'' (استاذ انجینئر نعمان اختر صاحب) کے عنوانات پر لیکچرز منعقد ہوئے۔

ان شاء اللہ 12 ستمبر 2026ء سے ہفتہ وار ''ایکٹیوویک اینڈ'' کورس کا آغاز کیا جا رہا ہے۔ یہ کورس کلاس ششم سے کلاس دہم (11 تا 16 سال کی عمر) کے طلبہ کے لیے ہر ہفتے کے دن دوپہر 2:30 تا سہ پہر 4:30 بجے منعقد ہوگا۔ اس کورس میں شرکا کو مطالعہ قرآن حکیم، اسپیشل لیکچرز، مسنون دعائیں، طہارت و نماز کے مسائل سکھانے کے ساتھ ساتھ کھیلوں کی مختلف سرگرمیوں کے لیے بھی وقت دیا جائے گا۔

مؤرخہ 12 ستمبر 2026ء سے بچیوں کے لیے ہفتہ وار Young Muslimah کورس کا انعقاد کیا جا رہا ہے۔ جس میں دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ خطاطی، آرٹ اینڈ کرافٹ وغیرہ کے لیے بھی تعلیم و مشق کا وقت مختص کیا گیا ہے۔

دورانِ ماہ مسجد میں پہلا اور تیسرا جمعہ ڈاکٹر محمد الیاس صاحب، دوسرا اور چوتھا جمعہ شجاع الدین شیخ صاحب نے خطبہ ارشاد فرمایا۔

دورانِ ماہ مسجد میں دس نکاح کی تقریبات منعقد ہوئیں۔

قرآن اکیڈمی یٰسین آباد

رجوع الی القرآن کورس 27-2026 (سال اول سیکشن اے) میں 57 حضرات اور 93 خواتین، رجوع الی القرآن کورس (سال اول سیکشن بی) میں 32 حضرات اور رجوع الی القرآن کورس (سال دوم) میں 21 حضرات اور 18 خواتین شرکت کر رہے ہیں۔

رجوع الی القرآن کورس (سال اول سیکشن اے، بی) کے تحت ''تنظیم الاوقات''، ''امت مسلمہ کا عروج و زوال اور احیائی عمل کے تین گوشے'' (استاذ ڈاکٹر محمد الیاس صاحب) اور ''مسلمان خواتین کے دینی فرائض'' (استاذ محمد ہاشم صاحب) کے موضوعات پر لیکچرز منعقد ہوئے۔

حلقات و دورات دینیہ کے تحت اس وقت ''قرآن فہمی کورس''، ''دورۂ ترجمہ قرآن (بعد نماز عشاء)''، ''مختصر درس قرآن (اہل محلہ / نمازی حضرات کے لیے بعد نماز ظہر)''، ''سلسلہ وار دورۂ ترجمہ قرآن (خواتین)''، ''دراسات دینیہ سال اول و دوم''، ''مختصر درس حدیث (اہل محلہ / نمازی حضرات بعد نماز عصر)''، ''تجوید القرآن سہ پہر''، ''احکام و مسائل طہارت و نماز (خواتین)''، ''عربی تکلم کورس''، ''تذکیر بالقرآن کورس برائے خواتین''، ''سلسلہ وار دورۂ ترجمہ قرآن''، ''سمر تربیہ کیمپ''، ''مادہ پرستی کے فتنے کا رد (سورۃ بنی اسرائیل کی روشنی میں)''، ''علم و عمل کورس (طالبات)''، ''منتخب نصاب کی صرفی و نحوی تحلیل اور عربی تفاسیر سے تقابلی جائزہ'' اور ''ایک روزہ ورکشاپ'' (تربیت اولاد) جاری ہے،

جس میں اوسط تعداد 1069 کے قریب ہوتی ہے۔
ایک روزہ ورکشاپ برائے ''گھر کی تعمیر تربیت اولاد'' (والدین کے لیے) اور ''میری نماز کامیابی کا راز'' (بچوں اور بچیوں کے لیے) منعقد کیا گیا، جس میں والد اور بچوں کی تعداد 75 جب کہ والدہ اور بچیوں کی مجموعی تعداد 134 رہی۔
مدرسۃ القرآن للحفظ والقراءۃ میں 215 طلبہ، جب کہ مدرسۃ البنین والبنات میں 248 طلبہ وطالبات زیر تعلیم ہیں۔ علاوہ ازیں مغرب تا عشاء حلقہ میں مقیم طلبہ کرام اور اہل محلہ و گرد و نواح کے حضرات کے لیے ناظرہ قرآن کا انعقاد بھی کیا جاتا ہے۔ نیز ماہ رواں یوم پاکستان کے موضوع پر ''اللہ کا انعام'' اور ماہ ربیع الاول کی مناسبت سے ''سچا امتی کون'' کے موضوع پر سید مصطفی اور عبد الرافع صاحبان نے اسپیشل لیکچر زدیے۔
شعبہ دعوت و تبلیغ کے تحت رواں ماہ پہلا اور دوسرا جمعہ ''امر بالمعروف و نہی عن المنکر'' اور ''نجات کی راہ'' (محترم سید سلیم الدین صاحب) جب کہ تیسرا جمعہ ''امت مسلمہ کی زبوں حالی'' (محترم عاطف محمود صاحب) اور چوتھا جمعہ ''تصورامت مسلمہ'' (محترم محمد ارشد صاحب) نے خطبہ ارشاد فرمایا۔
مسجد میں چھ نکاح کی تقریبات منعقد ہوئیں۔
شعبہ تصنیف و تالیف کے تحت ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کے منتخب نصاب (تفصیلی ویڈیوز) حصہ سوم کے درس نمبر 10 تا 13 کی فائنل نظر ثانی و تصحیح مکمل ہو چکی ہے، جب کہ درس نمبر 14 پر فائنل نظر ثانی و تصحیح کا کام جاری ہے۔ اسی طرح ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کے منتخب نصاب (تفصیلی ویڈیوز) حصہ چہارم درس نمبر (18) حصہ ششم پر فورمیٹنگ، ترمیم وترتیب اور تصحیح کا کام جاری ہے۔
آئینہ انجمن ماہ اگست کو مکمل تیار کرنے کے بعد شمارے کی مکمل نظر ثانی و تصحیح کی گئی۔ علاوہ ازیں ماہنامہ کے لیے ایک مضمون تیار کیا گیا۔
پیغام قرآن کے تحت سورۃ البقرہ پارہ الم کی فورمیٹنگ، ترمیم وترتیب اور تصحیح مکمل ہو چکی ہے، جب کہ سورۃ البقرہ پارہ سیقول پر کام جاری ہے۔
نیز پیغام قرآن کے تحت سورۃ القلم کی کمپوزنگ جاری ہے۔
رواں ماہ شعبہ سوشل میڈیا کے تحت درج ذیل امور سر انجام دیے گئے۔

پروموز:
''پروفٹک جرنی اینڈ لائف اسکلز بوٹ کیمپ (قرآن اکیڈمی یٰسین آباد)''، ''امت مسلمہ کی حالت زار اور راہ نجات (یکم اگست امیر تنظیم اسلامی)''، ''امت مسلمہ کی حالت زار اور راہ نجات (14 اگست امیر تنظیم اسلامی)''، ''امت مسلمہ کی حالت زار اور راہ نجات (6 کلپس تنظیم اسلامی)''، ''گھر کی تعمیر ایک روزہ ورکشاپ (قرآن اکیڈمی یٰسین آباد)''، ''خطبات سیرت النبی ﷺ (قرآن اکیڈمی یٰسین آباد- تنظیم اسلامی)'' اور ''آج کا پروگرام-خطبات سیرت النبی ﷺ''۔

ویڈیوز کلپس	
ہیں آج کیوں ذلیل -ویڈیو اسکرپٹ	جواب شکوہ منتخب اشعار—ویڈیو
خطبات سیرت ﷺ- پچھلے سال کے شرکائے تاثرات	صدر موسس: 10
سابق نگران انجمن: 2	نگران انجمن: 12
خطاب جمعہ کلپس:	
31 جولائی 2026ء—30 کلپس	7 اگست 2026ء-28 کلپس
14 اگست 2026ء-12 کلپس	
کوریج:	
امیر تنظیم اسلامی کا پیغام رفقائے تنظیم کے نام برائے مہم	امیر تنظیم اسلامی دورہ اسٹیٹ بینک آف پاکستان
امیر تنظیم اسلامی پریس کانفرنس بمقام کراچی پریس کلب	امیر تنظیم اسلامی پروگرام: یکم اگست گلستان انیس کلب

قرآن اکیڈمی ڈیفنس، کورنگی+قرآن انسٹیٹیوٹ جوہر، لطیف آباد، بحریہ ٹاؤن+قرآن مرکز لانڈھی تفصیلی شوٹ کوریج
جھلکیاں:
امت مسلمہ کی حالت زار اور راہ نجات - مہم تنظیم اسلامی پاکستان

قرآن اکیڈمی کورنگی

رجوع الی القرآن کورس سال 27-2026 میں 14 حضرات 30 خواتین شریک ہیں۔ رواں ماہ خصوصی محاضرات کے ذیل میں ''تنظیم الاوقات'' (ڈاکٹر محمد الیاس صاحب) کے موضوع پر لیکچر منعقد ہوا۔ جب کہ فکر اسلامی کے ضمن میں ''اسلام کی نشأۃ ثانیہ اور کرنے کا اصل کام'' (مدیر ادارہ جناب محمد ہاشم صاحب) جاری ہے۔

مدرسۃ القرآن للحفظ والقراءۃ قرآن اکیڈمی کورنگی للبنین والبنات میں شعبہ بنین میں 155 طلبہ اور شعبہ بنات میں 126 طالبات جب کہ بڑی عمر کی خواتین کی ناظرہ قرآن میں 27 خواتین زیر تعلیم ہیں۔

مدرسہ ہذا کے شعبہ حفظ و بنین و بنات کے درجہ قاعدہ و ناظرہ میں شش ماہی امتحانات کا انعقاد کیا گیا، جس میں مجموعی طور پر نتیجہ 100% فیصد رہا۔

درجہ حفظ کے طلبہ میں مطالعہ قرآن حکیم کی تدریس جاری ہے۔ نیز بعد نماز ظہر 'آداب زندگی' کا مطالعہ بھی کیا جاتا ہے۔

شعبہ بنات میں درجہ قاعدہ کی طالبات کے لیے ''موبائل کے نقصانات''، ''نماز کا بیان'' اور ''نبی کریم ﷺ کی تعلیمات''، درجہ ناظرہ کی طالبات کے لیے ''حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا''، ''حضرت سودہ رضی اللہ عنہا'' اور ''حضرت ابراہیم علیہ السلام'' جب کہ ناظرہ قرآن کی خواتین کے لیے ''سچا امتی کون؟'' کے موضوعات پر خصوصی لیکچرز منعقد ہوئے۔

قرآن اکیڈمی کورنگی شعبہ خواتین کے تحت جاری امور خانہ داری و تربیتی کورس میں 18 طالبات شرکت کر رہی ہیں۔ نیز ان طالبات کے لیے ''مسلمانوں کی حالتِ زار اور راہِ نجات'' کے موضوع پر ایک تربیتی لیکچر منعقد کیا گیا۔

قرآن اکیڈمی کورنگی میں تنظیم اسلامی کورنگی شرقی کے تحت شام کے اوقات میں عربی گرامر کورس میں تقریباً 15 حضرات شرکت کر رہے ہیں۔ تدریس کی ذمہ داری جناب حافظ ریان صاحب ادا کر رہے ہیں۔

قرآن اکیڈمی کورنگی میں تنظیم اسلامی کورنگی شرقی شعبہ خواتین کے تحت ''مسلمانوں کی حالتِ زار اور راہِ نجات'' کے موضوع پر ماہانہ درسِ قرآن منعقد ہوا، جس میں 55 خواتین نے شرکت کی۔

قرآن اکیڈمی کورنگی کے تحت ہفتہ وار قرآن فہمی کورس (ماڈیول-I) جاری ہے، جس میں 05 حضرات تسلسل کے ساتھ شرکت کر رہے ہیں۔

قرآن اکیڈمی کورنگی کے تحت مؤرخہ 25 جولائی 2026ء بروز ہفتہ سے ہفتہ وار کلاسز پر مشتمل بنیادی علومِ دینیہ کورس جاری ہے، جس میں 07 حضرات رجسٹریشن حاصل کر چکے ہیں۔

قرآن اکیڈمی کورنگی کے تحت Energy Solutions (Pvt.)Limited میں عربی گرامر کورس جاری ہے، جس میں تقریباً 35 سے 40 حضرات شرکت کر رہے ہیں۔ اس کورس میں تدریس کی ذمہ داری جناب حافظ محمد نعمان صاحب ادا کر رہے ہیں۔

دعوت و تبلیغ کے ضمن میں قرآن اکیڈمی کورنگی سے متصل جامع مسجد طیبہ میں تنظیم اسلامی کورنگی شرقی کے تحت دورۂ ترجمہ قرآن ہر جمعرات ہفتہ وار ایک رکوع کے درس کا انعقاد کیا جاتا ہے۔ اسی طرح دورانِ ماہ تنظیم اسلامی پاکستان کے تحت ملک گیر مہم کے تحت ''امتِ مسلمہ کی حالتِ زار اور راہِ نجات'' کے موضوع کے ذیل میں خصوصی خطابات جاری ہیں۔ مدرس کی ذمہ داری صدرِ انجمن خدام القرآن، سندھ جناب انجینئر نعمان اختر صاحب ادا فرماتے ہیں، جس میں اوسطاً 70 حضرات نے شرکت کی۔

دی ہوپ اسلامک اسکول

اسکول میں موسمِ گرما کی تعطیلات کے بعد ماہِ اگست سے تعلیمی سر گرمیوں کا آغاز ہو چکا ہے۔
طلبا کو یومِ آزادی کی آگاہی فراہم کرنے کے سلسلے میں روزانہ کی بنیاد پر مختلف پروگرام ترتیب دیے گئے۔
یومِ آزادی کی مناسبت سے ایک تقریب کا بھی انعقاد کیا گیا۔

قرآن انسٹیٹیوٹ گلستان جوہر

رواں ماہ رجوع الیٰ القرآن کورس (27-26) میں 32 حضرات اور 38 خواتین سمیت کل 70 شرکا شرکت کر رہے ہیں۔ رواں ماہ خصوصی محاضرات کے ذیل میں ''امتِ مسلمہ کا عروج وزوال''، ''احیائی عمل کے تین گوشے'' اور ''درسِ قرآن کی تیاری کیسے'' (جناب سید سلیم الدین صاحب) کے موضوعات پر لیکچرز منعقد ہوئے۔
بعد از نماز فجر ''درس قرآن وحدیث'' (جناب ندیم گیلانی اور قاری غلام اکبر صاحبان)، بعد از نماز عصر ''درس حدیث'' (قاری غلام اکبر صاحب) اور بعد از نماز فجر ''تجوید'' (قاری محمد ارسلان صاحب) جاری ہے۔
واٹس ایپ پر ''عربی گرامر'' کے ساتویں بیچ جاری ہے جس میں 700 طلبہ نے شمولیت اختیار کی۔ اسی طرح ہفتہ وار قرآن فہمی کورس میں 26 طلبہ نے شرکت کی۔ رواں ماہ آئینہ انجمن کے لیے مضامین تیار کر کے شعبہ تصنیف و تالیف کو ارسال کیے گئے۔
رجوع الی القرآن کورس کا مضمون ''ترجمہ قرآن اور قرآن فہمی کورس'' کا مضمون مختصر عربی گرامر کی ویڈیو ریکارڈنگز تیار کر کے متعلقہ گروپس پر بھیجے گئے۔ علاوہ ازیں مختلف تناظیم کے 35 پروگرام منعقد ہوئے۔
مدرسۃ القرآن میں قاعدہ وناظرہ کی تعلیم کا سلسلہ جاری ہے، جہاں تقریباً 40 طلبہ زیر تعلیم ہیں۔
رواں ماہ خطبہ جمعہ کی سعادت مدیر ادارہ جناب ڈاکٹر انوار علی صاحب نے حاصل کی۔

قرآن انسٹیٹیوٹ لطیف آباد

قرآن انسٹیٹیوٹ لطیف آباد میں تسلسل کے ساتھ رجوع الی القرآن کورس میں تقریباً 14 حضرات اور 25 خواتین شریک ہیں۔ اس ماہ دو اسپیشل لیکچرز ''امتِ مسلمہ کا عروج وزوال'' اور ''احیائی عمل کے تین گوشے'' (استاذ ڈاکٹر محمد الیاس صاحب) منعقد ہوئے۔
ہفتہ وار تفسیر القرآن کورس کے تحت سورۃ البقرہ کے ابتدائی نو رکوع مکمل ہو چکے ہیں۔
قرآن انسٹیٹیوٹ لطیف آباد میں بچیوں کے لیے ناظرہ قرآن جاری ہے۔ دن: پیر تا جمعرات، وقت 03:00 تا 04:00۔
بروز ہفتہ 'دروس اللغۃ العربیہ' کورس کا بھی آغاز ہو چکا ہے۔
مدرسۃ القرآن برائے قاعدہ وناظرہ میں اور بعد نمازِ مغرب بالغان کے لیے بھی قاعدہ وناظرہ قرآن کی تعلیم اور بروز جمعہ بعد نمازِ مغرب تذکیر بالقرآن کے تحت درسِ قرآن کا سلسلہ جاری ہے۔
شعبہ دعوت و تبلیغ کے تحت دوران ماہ لطیف آباد کی دو مساجد میں خطاب جمعہ بعنوان ''امتِ مسلمہ کی حالت زار اور راہ نجات'' کا اہتمام کیا گیا، جس کی ذمہ داری استاذ محمد خضر حیات شیخ صاحب نے ادا کی۔
شعبہ سندھی تصنیف و تالیف کے تحت بانی تنظیم اسلامی و مؤسس انجمن خدام القرآن ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کے تقریباً 60 کے قریب مختلف کتابچوں اور کتب کا ابتدائی سندھی ترجمہ کیا جا چکا ہے۔

قرآن انسٹیٹیوٹ بحریہ ٹاؤن

الحمدللہ رجوع الی القرآن کورس سال اول جاری ہے۔ اس ماہ خصوصی محاضرات کے تحت دو خصوصی لیکچرز ''امتِ مسلمہ کا عروج وزوال'' اور ''احیائی عمل کے تین گوشے'' (استاذ ڈاکٹر محمد الیاس صاحب) منعقد ہوئے۔
مدرستہ تحفیظ القرآن میں حفظ و ناظرہ کی تعلیم کا سلسلہ جاری ہے۔ دوران ماہ حفظ و ناظرہ بوائز سیکشن کے ششماہی امتحانات منعقد ہوئے۔
قرآن انسٹیٹیوٹ بحریہ ٹاؤن کراچی کے تمام شعبہ جات اور عمارت کی فوٹوگرافی و ویڈیوگرافی، ویڈیو 360، اور ڈرون شارٹس لینے کا کام 3 سے 4 گھنٹے کے طویل وقت میں تفصیل کے ساتھ بخیر و خوبی انجام ہوا۔
امیر تنظیم اسلامی اور نگراں اعلیٰ انجمن خدام القرآن جناب شجاع الدین شیخ صاحب کے بحریہ ٹاؤن آڈیٹوریم میں خطاب سے پہلے انجمن خدام القرآن کا تعارف اور قرآن انسٹیٹیوٹ بحریہ ٹاؤن کی تعارفی ویڈیو نشر کی گئی، کتابوں کا اسٹال لگایا گیا اور ادارے میں ہونے والے مختلف کورسز کی تشہیر کے لیے اسٹینڈیز لگا گئیں۔

قرآن مرکز لانڈھی

مدرستہ القرآن للحفظ و القراءۃ للبنین و البنات میں شعبہ بنین کے درجہ حفظ میں 58 جب کہ درجہ قاعدہ و ناظرہ میں 38 طلبہ اور شعبہ بنات میں 53 طالبات زیر تعلیم ہیں۔
حلقات و دورات دینیہ کے تحت حضرات کے لیے بعد نماز عشاء 'آسان عربی گرامر برائے قرآن فہمی' کورس جاری ہے، جب کہ خواتین کے لیے بعد نماز عشاء 'مطالبات قرآن' کورس کی تکمیل ہوئی۔
ہفتہ وار درسِ قرآن (بروز جمعہ) میں سورۃ الحج کا مطالعہ جاری ہے۔ امیر لانڈھی تنظیم و ناظم مرکز محترم محمد ہاشم صاحب درس کی ذمہ داری ادا کر رہے ہیں۔ نیز ماہانہ درس (برائے خواتین) کا دوپہر کے اوقات میں انعقاد کیا گیا۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

گفتگو آپ کے قبضہ میں ہوتی ہے جب تک آپ اس کو زبان سے نہ نکالیں اور جب آپ اسے زبان سے نکال دیں تو آپ خود اس کی گرفت میں آجائیں گے۔ اس لیے تم اپنی زبان اس طرح محفوظ کر کے رکھو جس طرح اپنے سونے چاندی کو محفوظ رکھتے ہو۔ اس لیے کہ بہت سے کلمات اس طرح کے ہوتے ہیں کہ نعمت کو سلب کر لیتے ہیں۔

اقوال زریں کا انسائیکلوپیڈیا: 56

انجمن خدّام القرآن اغراض و مقاصد

انجمن خدام القرآن سندھ، کراچی کے قیام کا مقصد منبع ایمان اور سرچشمۂ یقین قرآن حکیم کے علم و حکمت کی وسیع پیمانے اور اعلیٰ علمی سطح پر تشہیر و اشاعت ہے۔ تاکہ اُمت مسلمہ کے فہیم عناصر میں تجدید ایمان کی ایک عمومی تحریک برپا ہوجائے اور اس طرح اسلام کی نشأۃ ثانیہ اور غلبۂ دینِ حق کے دورِ ثانی کی راہ ہموار ہوسکے۔

انجمن خدام القرآن سندھ، کراچی کے اغراض و مقاصد :

- عربی زبان کی تعلیم و ترویج۔
- قرآن مجید کے مطالعے کی عام ترغیب و تشویق۔
- علومِ قرآنی کی عمومی نشر و اشاعت۔
- ایسے نوجوانوں کی مناسب تعلیم و تربیت جو تعلّم و تعلیم قرآن کو اپنا مقصدِ زندگی بنالیں، اور
- ایک ایسی قرآن اکیڈمی کا قیام جو قرآنِ حکیم کے فلسفہ و حکمت کو وقت کی اعلیٰ ترین علمی سطح پر پیش کرسکے۔

☆☆☆

مرکزی دفتر B – 375، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ روڈ، بلاک 6، گلشن اقبال، کراچی۔ فون نمبر 7 – 34993436 – 021